ماہنامہ

اشراق

لاہور

نومبر ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

''...یحییٰ و مسیح، دونوں بنی اسرائیل پر عذاب سے پہلے آخری اتمام حجت کے لیے آئے تھے۔ وہ اُس بستی میں گھر کیا بناتے جو سیلاب کی زد میں تھی اور اُس درخت کی بہار کیا دیکھتے جس کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا تھا۔ ایک ایک دروازے پر دستک دے کر لوگوں کو آنے والے طوفان سے خبردار کرنے والے اپنا گھر بسانے اور اپنا کھیت اگانے میں لگ جاتے تو اپنے فرض سے کوتاہی کے مرتکب قرار پاتے۔ چنانچہ دونوں نے تجرد و انقطاع کا طریقہ اختیار کیا، قوت لایموت پر اکتفا کی، درویشوں کا لباس پہنا اور زمین و آسمان ہی کو چھت اور بچھونا بنا کر زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ نصاریٰ کی بدقسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِن جلیل القدر پیغمبروں کی اِس منصبی ذمہ داری کو سمجھنے کے بجائے اُنھوں نے اِسے رہبانیت کا رنگ دیا اور پھر اِسی کو دین کا اصلی مطالبہ قرار دے کر رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا۔''

—— شذرات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ وارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۲۹ شمارہ ۱۱ نومبر ۲۰۱۷ء صفر المظفر / ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فہرست

شذرات
تصویر اور آرایش سے اجتناب: ایک روایت کا مطالعہ — سید منظور الحسن — ۴
تنقید — ؍ — ۷
تقلید — ؍ — ۷

قرآنیات
البیان: الکہف ۱۸: ۹۹-۱۱۰ (۷) — جاوید احمد غامدی — ۹

معارف نبوی
دوزخ کے اعمال (۲) — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — ۱۳

سیر و سوانح
حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ — محمد وسیم اختر مفتی — ۲۴

مقالات
نظم قرآن کیا خارج سے ماخوذ ہے؟ — ساجد حمید — ۴۲
دین میں معیار حق: شخص یا اصول — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۵۲

نقطۂ نظر
مدیر ''البرہان'' کی خدمت میں — ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی — ۵۸

وفیات
مختار علی شاہ: یادیں اور تاثرات — محمد وسیم اختر مفتی — ۶۷
سید مختار علی شاہ کی یادیں! — نعیم احمد بلوچ — ۷۲

فی شمارہ 30 روپے
سالانہ 300 روپے
رجسٹرڈ 700 روپے
(زر تعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک
سالانہ 30 ڈالر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

سید منظور الحسن

تصویر اور آرایش سے اجتناب ـــــ ایک روایت کا مطالعہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صحیح مسلم کی روایت، رقم ۲۱۰۷ کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہمارے ہاں (گھر کے دروازے پر) ایک پردہ (لٹکا ہوا) تھا جس پر پرندے کی تصویر تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا کوئی شخص جب داخل ہوتا تو اس (پردے) کو اپنے سامنے پاتا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب گھر میں تشریف لاتے تو آپ کی نظر اس پر پڑتی)۔ پھر (ایک موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اس (پردے) کو (یہاں سے) ہٹا دو، میں جب بھی گھر داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آ جاتی ہے ... (سیدہ فرماتی ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسے (ہٹانے ہی کا حکم دیا) پھاڑ دینے کا حکم نہیں دیا۔

اس روایت کو بعض اوقات تصویر کی ممانعت اور زیب و زینت کی چیزوں سے اجتناب کے لیے بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال محل نظر ہے۔ جہاں تک تصویر کا تعلق ہے تو اس روایت سے ممانعت کے بجائے اباحت کا تاثر نمایاں ہوتا ہے۔ روایت کے حسب ذیل پہلو اس بات کی دلیل ہیں:

اولاً، تصویر اگر ناجائز ہوتی تو یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کے ہاں معلوم و معروف ہوتی اور کوئی شخص بیت النبی پر تصویر والا پردہ لٹکانے کی جسارت نہ کرتا۔

ثانیاً، اگر ایسا ہو بھی جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی نظر ہی میں پردہ اتروا دیتے اور اس میں سے ایک سے زائد بار گزرنا گوارا نہ کرتے۔

ثالثاً، آپ اپنے حکم کو پردہ اتارنے تک ہی محدود نہ رکھتے، بلکہ اسے قطع بھی کرا دیتے تاکہ تصویر باقی نہ رہے۔

اس توضیح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کو ممنوع یا غیر مباح قرار نہیں دیا اور نہ اسے کسی حرام شے سے وابستہ کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس تصویر والے پردے کو دنیا سے متعلق کر کے تصویر کی اباحت کی تصدیق فرما دی ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ پردے پر تصویر کا نقش درحقیقت اس کے مزین ہونے کی علامت ہے۔عربوں کے ہاں گھروں کی آرایش وزیبایش کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ لوگ انسانوں اور حیوانوں کی تصویروں والے منقش پارچہ جات کو دیواروں، طاقوں اور دروازوں پر آویزاں کرتے تھے۔ ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں:

''بعض اہل مکہ اور حجاز کے دوسرے تمام علاقوں کے لوگ اپنے گھروں میں تصویریں اور مجسمے رکھتے تھے...اور ایک گروہ درزیوں اور بافندوں کا تھا جو پردوں اور ملبوسات کو منقش کرنے کے لیے ان پر انسانوں اور جانوروں کی تصویریں بنایا کرتا تھا...زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے گھروں کی آرایش تصویروں سے اور ایسے کپڑوں سے کرتے تھے جن پر تصویریں بنی ہوتی تھیں۔اسی طرح وہ تصویروں والے پردے استعمال کرتے تھے۔'' (۸/ ۸۳، ۸۸)

اس تناظر میں یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''اس پردے کو دیکھنے سے مجھے دنیا یاد آ جاتی ہے''، تصویر سے نہیں، بلکہ زیب وزینت اور تزیین وآرایش سے متعلق ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سرتاسر من جملۂ مباحات ہیں اور الہامی شریعتوں نے انھیں کبھی ممنوع قرار نہیں دیا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے اسالیب جب حد اعتدال سے متجاوز ہو جائیں تو یہی مباحات نمود ونمایش اور فخر واستکبار کا مظہر بن جاتے اور انسان کو آخرت سے غافل کر کے دنیا پرستی کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ان میں مستغرق ہونے اور انھیں اوڑھنا بچھونا بنا لینے کو ناپسند کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رغبات دنیا کو اصلاً جائز قرار دیا، انھیں اوڑھنا بچھونا بنا لینے کو ناپسند کیا اور اپنے طبعی میلان اور منصبی ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنی ذات کی حد تک ان سے بالعموم گریز ہی کا رویہ اختیار کیا۔اپنے اہل خانہ کو بھی آپ نے اسی رویے کی تلقین کی۔ چنانچہ اسی طرح کے ایک منقش پردے کو جب آپ نے اپنی صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر لٹکے ہوئے دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا اور کسی ضرورت مند کو دے دینے کا حکم دیا:

''ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تک

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آئے، مگر گھر میں داخل نہیں ہوئے (اور واپس تشریف لے گئے۔ سیدہ کو یہ معلوم ہوا) تو جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔ سیدنا علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کا سبب) معلوم کیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اس کے دروازے پر منقش پردہ دیکھا تھا۔ پھر فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق۔ پھر سیدنا علی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھیں یہ بات بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں جو چاہتے ہیں، مجھے حکم دیں۔ (سیدہ کی یہ گزارش جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو) آپ نے فرمایا: اسے فلاں گھر والوں کے پاس بھجوا دو، وہ ضرورت مند ہیں۔'' (بخاری، رقم ۲۶۱۳)

مسلم کی مذکورہ روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا سبب اگر طبعی میلان اور منصبی ذمہ داریوں کو تصور نہ کیا جائے تو آرایش و زیبایش سے آپ کا ابا کرنا دینی عمل قرار پاتا اور اس اعتبار سے لائق اتباع اسوۂ حسنہ کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ زیب و زینت سے گریز کو دینی عمل تصور کرنا چونکہ قرآنی نصوص، بعض دیگر انبیا کے طرز عمل اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض دوسرے اعمال سے متعارض ہے، اس وجہ سے قرین قیاس یہی ہے کہ منقش پردے کو اتار دینے کا حکم ایک اعتبار سے آپ کی ذاتی پسند و ناپسند کا مظہر اور ایک پہلو سے آپ کی منصبی ذمہ داریوں میں یکسوئی کا آئینہ دار ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس تنقیح سے ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گریز آپ کے طبعی میلان اور منصبی ذمہ داریوں کے تناظر میں ہے تو پھر سیدنا مسیح اور سیدنا یحییٰ علیہما السلام کے دنیا کی لذتوں سے اس کنارہ کشی کے کیا معنی ہیں جس کا حوالہ خود قرآن مجید نے دیا ہے؟

ہمارے نزدیک اس کا سبب بھی ان انبیا کی منصبی ذمہ داریاں ہی ہیں۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی سورۂ آل عمران کی آیت ۳۹ کی تفسیر میں اسی پہلو کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''اِس کنارہ کشی کی وجہ یہ تھی کہ یحییٰ و مسیح، دونوں بنی اسرائیل پر عذاب سے پہلے آخری اتمام حجت کے لیے آئے تھے۔ وہ اُس بستی میں گھر کیا بناتے جو سیلاب کی زد میں تھی اور اُس درخت کی بہار کیا دیکھتے جس کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا تھا۔ ایک ایک دروازے پر دستک دے کر لوگوں کو آنے والے طوفان سے خبردار کرنے والے اپنا گھر بسانے اور اپنا کھیت اگانے میں لگ جاتے تو اپنے فرض سے کوتاہی کے مرتکب قرار پاتے۔ چنانچہ دونوں نے تجرد و انقطاع کا طریقہ اختیار کیا، قوت لایموت پر اکتفا کی، درویشوں کا لباس پہنا اور زمین و آسمان ہی کو چھت اور بچھونا بنا کر زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ نصاریٰ کی بدقسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِن جلیل القدر

پیغمبروں کی اِس منصبی ذمہ داری کو سمجھنے کے بجاے اُنھوں نے اِسے رہبانیت کا رنگ دیا اور پھر اِسی کو دین کا اصلی مطالبہ قرار دے کر رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا۔ ہمارے ہاں بھی صوفیوں نے پیغمبروں کی زندگی میں اِسی طرح کی بعض چیزوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے اجنبی تصورات دین میں داخل کر دیے ہیں اور اب گذشتہ کئی صدیوں سے علما کو بھی اُن سے متاثر کر لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔'' (البیان ۱/۳۴۶)

تنقید

کسی مضمون پر تنقید اصلاً ایک مثبت عمل ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں علم و دانش کے نئے دریچے کھلتے ہیں۔ اگر کوئی بات مصنف کے سہو یا سوءِ فہم کے نتیجے میں غلط طور پر بیان ہوگئی ہو تو اس کا امکان ہوتا ہے کہ وہ تنقید کی روشنی میں اپنی تالیف پر نظر ثانی کرے گا۔ چنانچہ یہ بات بالکل بجا ہے کہ تنقید وہ زینہ ہے جس پر علم اپنے ارتقا کی منزلیں طے کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ علمی ارتقا کی خدمت کا فریضہ صرف اور صرف وہی تنقید انجام دیتی ہے جس میں مصنف کا نقطۂ نظر تعصب سے بالاتر ہو کر پوری دیانت داری سے سمجھا گیا ہو اور بے کم و کاست بیان کیا گیا ہو، جس میں مصنف کے محرکات طے کر کے انھیں ہدف تنقید بنانے کے بجاے اس کے استدلال کے نکات کو متعین کر کے ان پر تنقید کی گئی ہو، جس میں ضمنیات کو نمایاں کر کے ان پر مباحث لکھنے کے بجاے اساسات کو بنیاد بنا کر ان پر بحث کی گئی ہو اور جس میں الزام تراشی، دروغ گوئی اور دشنام طرازی کے بجاے سنجیدہ اور شایستہ اسلوب بیان میں اپنی بات سمجھائی گئی ہو۔ اگر کوئی تنقید ان معیارات پر پوری نہیں اترتی تو صاف واضح ہے کہ وہ علم کی ترقی میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی۔ علم کی دنیا میں اس کی حیثیت محض رطب و یابس کی ہوتی ہے اور اصحاب علم و دانش اس سے اعتنا برتنے کو بھی غیر علمی رویے پر محمول کرتے ہیں۔

تقلید

ہمارے ہاں عام طور پر مذہبی معاملات میں تقلید کو بطور اصول اختیار کیا جاتا ہے اور یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اگر کسی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فقیہ یا امام کی ایک راے قبول کی ہے تو لازم ہے کہ اس کی باقی آرا کو بھی قبول کیا جائے۔ علم و استدلال کی دنیا میں اس مطالبے کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ جن اصحاب علم کے لیے یہ استحقاق طلب کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے خود بھی کبھی اس کا مطالبہ نہیں کیا۔ انھوں نے ہمیشہ فرد کے بجاے اس کے موقف اور اس موقف کے استدلال کو موضوع بنایا۔ جو راے بھی انھوں نے پیش کی، دلیل کی بنا پر پیش کی اور امام شافعی کے الفاظ میں، اس تواضع کے ساتھ پیش کی کہ میں اپنی بات کو صحیح کہتا ہوں، مگر اس میں غلطی کا امکان تسلیم کرتا ہوں اور اس کے برعکس بات کو غلط کہتا ہوں، مگر اس میں صحت کا امکان تسلیم کرتا ہوں۔ انھوں نے ہمیشہ یہ درس دیا کہ دین کے معاملے میں حجت کی حیثیت ان کی ذات، ان کے موقف یا ان کے فہم کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ یہ مرتبہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو حاصل ہے کہ ہر حال میں اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے۔ سلف صالحین کا یہی منہج ہے جسے بعد میں آنے والوں نے بھی پوری ذمہ داری کے ساتھ اختیار کیا اور اس میں کبھی تامل نہیں کیا کہ اگر ایک معاملے میں طبری اور ابن کثیر کی راے قبول کی ہے تو دوسرے معاملے میں رازی اور زمخشری کی راے کو اختیار کیا جائے۔ ایک مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے قول کو ترجیح دی ہے تو دوسرے مسئلے میں امام مالک، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کے موقف کو اپنایا جائے۔ انھوں نے اس سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا کہ اگر سلف و خلف کی آرا میں سے کوئی راے بھی لائق التفات نہیں ہے تو عقل و نقل کی بنا پر اپنی راے کو پیش کر دیا جائے۔ اہل علم کی یہی روایت ہے جسے دور جدید میں علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے پوری شان کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ ''المورد'' بھی اسی روایت کے دوام اور استحکام کا داعی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکہف

(۷)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾
وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ

اُس دن[۱۰۴] ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ ایک دوسرے سے موجوں کی طرح ٹکرا رہے ہوں گے[۱۰۵] اور صور پھونکا جائے گا۔ اِس طرح ہم اُن سب کو اکٹھا کر لیں گے[۱۰۶] اور اُس دن ہم دوزخ کو اُن منکروں

۱۰۴؎ یعنی جس دن خدا کے وعدے کا ظہور ہو گا۔ اوپر ذوالقرنین کا قول نقل ہوا ہے کہ اُس نے اپنی بنائی ہوئی عظیم دیوار کو دیکھ کر کہا تھا کہ جب میرے پروردگار کے وعدے کے ظہور کا دن ہو گا تو وہ اِس کو ڈھا کر برابر کر دے گا۔ یہ قرآن نے اُسی پر عطف کر کے بات کو آگے بڑھا دیا ہے اور دیکھیے کہ کس بلاغت کے ساتھ بڑھایا ہے۔

۱۰۵؎ یہ اُس وقت کی تصویر ہے، جب یاجوج وماجوج اپنے علاقوں سے نکل کر ہر بلندی سے لوگوں پر پل پڑیں گے۔ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ وہ نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں اور اُن کا اصل وطن وسط ایشیا کا علاقہ ہے۔ سورۂ انبیاء (۲۱) کی آیت ۹۶ میں اُن کے اِس خروج کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں صاف اشارہ ہے کہ قیامت اُن کی اِسی عالم گیر یورش کے اندر سے نمودار ہو جائے گی۔ اِس لحاظ سے یاجوج وماجوج کا خروج اور قیامت گویا ایک ہی دن کے واقعات ہیں۔

عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَکَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا ﴿۱۰۱﴾

اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُکُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوۡا وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَرُسُلِیۡ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

کے سامنے پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر میری یاد دہانی سے پردہ پڑا رہا[107] اور وہ سننے کی تاب نہیں لاتے تھے۔ ۹۹-۱۰۱

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پھر کیا یہ منکرین اِس خیال میں ہیں کہ میرے بندوں کو یہ میرے سوا اپنا کارساز بنالیں؟[108] (یہ محض خوش فہمی ہے)۔ ایسے منکروں کی مہمانی کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ ۱۰۲

اِن سے کہو، کیا ہم تمھیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی تمام سعی و جہد دنیا کی زندگی میں اکارت ہوگئی اور وہ اِسی خیال میں رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیات اور اُس سے ملاقات کا انکار کیا۔ سو اُن کے اعمال ضائع ہوئے۔ اب قیامت کے دن ہم اُن کو کوئی وزن نہ دیں گے۔ اُن کا بدلہ یہی جہنم ہے، اِس لیے کہ اُنھوں نے انکار کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا ہے۔ ۱۰۳-۱۰۶

۱۰۶؎ آیت میں لفظ 'جَمۡعًا' اِس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اِس حشر سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ چھوٹے بڑے، عامی و عارف اور عابد و معبود، سب پکڑ بلائے جائیں گے۔

۱۰۷؎ یعنی جس دوزخ کی یاددہانی کی گئی اور اُسے عقل کی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے، اُسے سر کی آنکھوں سے دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔

۱۰۸؎ اِس لیے کارساز بنالیں کہ فیصلے کے دن وہ اِن کی سفارش سے اپنے آپ کو میری گرفت سے چھڑا سکیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ
رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا
لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

البتہ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں، اُن کے لیے فردوس کے باغوں کی مہمانی ہے۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے کبھی اٹھنا نہ چاہیں گے۔[۱۰۹] ۱۰۷-۱۰۸

(یہ نشانیاں مانگتے ہیں)۔ اِنھیں بتاؤ، (اے پیغمبر) کہ میرے پروردگار کی نشانیوں[۱۱۰] کو لکھنے کے لیے اگر سمندر روشنائی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا، اِس سے پہلے کہ میرے پروردگار کی نشانیاں ختم ہوں، اگرچہ ہم اُس کے ساتھ اُسی کے مانند اور سمندر ملا دیں۔ ۱۰۹

اِن سے کہو، (تم کس سے نشانیاں مانگتے ہو)؟ میں بھی تمھاری ہی طرح ایک آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ سو جسے اپنے پروردگار سے ملنے کی امید ہو، اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھیرائے۔ ۱۱۰

۱۰۹؎ یہ اِس لیے فرمایا کہ وہ مطمئن رہیں، خدا کی جنت کوئی اکتا جانے کی چیز نہیں ہے۔ اُن کی دل چسپی کے لیے ہر روز وہاں ایک نئی دنیا ہوگی جس میں اُن کے مدارج بھی ہمیشہ بلند ہوتے رہیں گے اور اُس کی نعمتیں بھی جدت طرازیوں کے ساتھ برابر بدلتی رہیں گی۔

۱۱۰؎ اصل میں لفظ 'کَلِمٰت' آیا ہے۔ یہ 'کَلِمَة' کی جمع ہے جس کے معنی 'بات' کے ہیں، لیکن یہاں اِس سے مراد وہ عجائب قدرت و حکمت ہیں جن کا مشاہدہ ہم آفاق و انفس میں کرتے ہیں۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر

جاوید احمد غامدی

تراجم کی تاریخ کا پہلا ترجمہ قرآن جس میں ترجمے ہی سے قرآن کا نظم واضح ہو جاتا ہے اور مزید کسی شرح و وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

قیمت

7945 روپے (ہارڈ بائنڈنگ)   3500 روپے (پیپر بائنڈنگ)

المورد
Al-Mawrid
المورد ادارۂ علم و تحقیق

For ordering our books, CDs and DVDs,
please send us email at
info@al-mawrid.org
www.al-mawrid.org

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی
تحقیق و تخریج: محمد حسن الیاس

دوزخ کے اعمال

(٦)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ١ ——

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، [١] أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ، وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، وَنَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَلَسُوا بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرُوا أَعْظَمَ الْكَبَائِرِ، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ فِيهَا عِلْمٌ يَنْتَهُونَ إِلَيْهِ، فَأَرْسَلُونِي إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَسْأَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أَعْظَمَ الْكَبَائِرِ شُرْبُ الْخَمْرِ، فَأَتَيْتُهُمْ، فَأَخْبَرْتُهُمْ، فَأَنْكَرُوا ذٰلِكَ، وَوَثَبُوا إِلَيْهِ جَمِيعًا، حَتّٰى أَتَوْهُ فِي دَارِهِ، فَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِنَّ مَلِكًا مِنْ مُلُوكِ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَخَذَ رَجُلًا، فَخَيَّرَهُ بَيْنَ أَنْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ، أَوْ يَقْتُلَ نَفْسًا، أَوْ يَزْنِيَ، أَوْ يَأْكُلَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ، أَوْ يَقْتُلُوهُ إِنْ أَبٰى، فَاخْتَارَ أَنْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ، وَأَنَّهُ لَمَّا شَرِبَهَا لَمْ يَمْتَنِعْ مِنْ شَيْءٍ

أَرَادُوْهُ مِنْهُ“، وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا مُجِيْبًا: ”مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْرَبُهَا، فَيَقْبَلَ اللّٰهُ لَهُ صَلاةً أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً، وَلَا يَمُوْتُ وَفِيْ مَثَانَتِهِ مِنْهَا شَيْءٌ، إِلَّا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ بِهَا الْجَنَّةُ، فَإِنْ مَاتَ فِيْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً“.

سالم بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور صحابہ میں سے کچھ دوسرے لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور اِس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ اُن میں کسی کے پاس اِس معاملے میں کوئی ایسا علم نہیں تھا کہ حتمی فیصلے کے لیے وہ اُس کی مراجعت کر سکیں۔ اِس پر اُنھوں نے مجھے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں اِس موضوع کے بارے میں اُن سے کچھ معلوم کروں۔ چنانچہ میں اُن کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے مجھے بتایا کہ اُن کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شراب نوشی ہے۔ میں نے یہ بات واپس آکر اِن حضرات کو بتائی تو اُنھوں نے مان کر نہیں دیا اور سب کے سب عبداللہ بن عمرو کی طرف لپکے اور اُن کے گھر جا پہنچے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اُنھیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے کسی شخص کو گرفتار کیا اور اُس سے تقاضا کیا کہ اپنی جان بخشی کے لیے وہ یا شراب پیے گا یا ایک بچے کو قتل کرے گا یا زنا کرے گا یا خنزیر کا گوشت کھائے گا، اور اُس نے اگر اِن میں سے کوئی کام نہ کیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اُس شخص نے بظاہر کم تر درجے کی برائی سمجھ کر شراب پینے کو اختیار کیا، لیکن جب شراب پی تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور وہ سارے گناہ کر گزرا جو وہ لوگ اُس سے کرانا چاہتے تھے۔[۲] پھر مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم سے کہا تھا کہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ شراب پیے اور اللہ اِس کے باوجود چالیس روز تک اُس کی نماز قبول کرتا رہے اور اُس کے مثانے میں کوئی نشے کی چیز ہو اور وہ مر جائے تو اُس پر جنت اِسی بنا پر حرام نہ کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ پھر اگر وہ چالیسویں دن مر گیا تو اُس کی موت جاہلیت پر ہو گی۔[۳]

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، خاص کر اُس بات سے جو آگے بیان ہوئی ہے کہ شراب پینے والا پھر اِس کے نشے میں ہر گناہ کر گزرتا ہے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا استنباط ہے، ورنہ قرآن اِس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ سب سے بڑا گناہ شرک، اِس کے بعد قتل اور اِس کے بعد زنا ہے۔ اِسی طرح جو دس بڑے گناہ قرآن میں مذکور ہیں، اُن میں بھی اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی کو شامل نہیں فرمایا۔ تاہم اُن کی بات اِس پہلو سے یقیناً قابل لحاظ ہے کہ شراب فی الواقع ام الخبائث ہے اور جس طرح کہ پیچھے ایک روایت کے حواشی میں ہم نے بیان کیا ہے، اِس کی لت پڑ جائے تو اِس سے دسیوں گناہ جنم لے سکتے ہیں۔

۲۔ یہ من جملہ اسرائیلیات ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اِس طرح کے قصے جس طرح باقی قوموں میں بیان کیے جاتے ہیں، اُسی طرح عرب میں بھی بیان کیے جاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِس کی نسبت اگر صحیح ہے تو آپ نے بھی اِس کو غالباً کسی موقع پر ایک قصے ہی کی حیثیت سے بیان کیا ہوگا۔ اِس طرح کے قصے سبق آموزی کے لیے بیان کیے جاتے ہیں۔ اِس کی بہترین مثال سعدی شیرازی کی ''گلستان''، ''بوستان'' اور اِس نوعیت کی بعض دوسری کتابیں ہیں۔ اِنھیں حقیقت پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ یہ اُنھی ارشادات کا حوالہ ہے جن کی وضاحت ہم پیچھے اِس باب کی روایتوں کے حواشی میں کر چکے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مستدرک حاکم، رقم ۷۳۰۱ سے لیا گیا ہے اور اِس کے راوی عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت ابو نعیم کی الآحاد والمثانی میں بھی نقل ہوئی ہے۔

—— ۲ ——

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَدِمَ نَفَرٌ مِنْ جَيْشَانَ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، سَمِعْنَا بِذِكْرِكَ، فَأَحْبَبْنَا أَنْ نَأْتِيَكَ، فَنَسْمَعَ مِنْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا"، قَالَ: فَأَسْلَمُوا، وَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مُرْنَا وَانْهَنَا، فَإِنَّا نَرٰى أَنَّ الْإِسْلَامَ قَدْ نَهَانَا عَنْ أَشْيَاءَ كُنَّا نَأْتِيهَا، وَأَمَرَنَا بِأَشْيَاءَ لَمْ نَكُنْ نَقْرَبُهَا، قَالَ: فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَهَاهُمْ، ثُمَّ خَرَجُوا

حَتّٰی جَاءُ وْا رِحَالَهُمْ، وَقَدْ خَلَّفُوْا فِيْهَا رَجُلًا، فَقَالُوْا: اذْهَبْ، فَضَعْ مِنْ إِسْلَامِكَ عَلٰی يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ وَضَعْنَا، وَسَلْهُ عَنْ شَرَابِنَا، فَإِنَّا نَسِيْنَا أَنْ نَسْأَلَهُ، وَقَدْ كَانَ مِنْ أَهَمِّ الْأَمْرِ عِنْدَنَا، فَجَاءَ ذٰلِكَ الْفَتٰی، فَأَسْلَمَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ النَّفَرَ الَّذِيْنَ جَاءُ وْكَ وَأَسْلَمُوْا عَلٰی يَدَيْكَ، قَدْ أَمَرُوْنِيْ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهُ بِأَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ، يُقَالُ لَهُ: الْمِزْرُ، وَأَرْضُهُمْ أَرْضٌ بَارِدَةٌ، وَهُمْ يَعْمَلُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ، وَلَيْسَ لَهُمْ مَنْ يَمْتَهِنُ الْأَعْمَالَ دُوْنَهُمْ، وَإِذَا شَرِبُوْهُ قَوَوْا بِهِ عَلَی الْعَمَلِ، قَالَ: "أَوَمُسْكِرٌ هُوَ"؟ قَالَ: اللّٰهُمَّ! نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ"، قَالَ: فَأَفْزَعَهُمْ ذٰلِكَ، فَخَرَجُوْا بِأَجْمَعِهِمْ، حَتّٰی جَاءُ وْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ أَرْضَنَا أَرْضٌ بَارِدَةٌ، وَإِنَّا نَعْمَلُ لِأَنْفُسِنَا، وَلَيْسَ لَنَا مَنْ يُمْتَهَنُ دُوْنَ أَنْفُسِنَا، وَإِنَّمَا شَرَابٌ نَشْرَبُهُ بِأَرْضِنَا مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ: الْمِزْرُ، وَإِذَا شَرِبْنَاهُ فَأُعِنَّا عَلَی الْبَرْدِ وَقَوِيْنَا عَلَی الْعَمَلِ، فَقَالَ: "أَمُسْكِرٌ هُوَ"؟ قَالُوْا: نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، إِنَّ عَلَی اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ مُسْكِرًا أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ". قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: "عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ، أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ".

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یمن کے لوگوں کی ایک جماعت جیشان کے علاقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ، ہم نے آپ کا ذکر سنا تو خواہش ہوئی کہ آپ کے پاس جائیں اور آپ کی دعوت خود آپ کی زبان سے سنیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے جواب میں فرمایا: اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ اِس پر اُن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور عرض

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیا: یارسول اللہ، اب ہمیں کیا کرنا ہے، آپ حکم فرمائیے، اور جس چیز سے روکنا ہے، روکیے، کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ اسلام نے کچھ چیزوں سے روکا ہے جو ہم اِس سے پہلے کرتے رہے ہیں اور کچھ چیزیں جن کے ہم قریب نہیں جاتے تھے، اُن کا حکم بھی دیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے بعد اُن کو اپنے کچھ اوامر ونواہی بتائے۔ پھر وہ لوگ وہاں سے نکلے اور اپنے کجاووں کے پاس پہنچ گئے، جہاں وہ ایک شخص کو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور اُس سے کہا کہ تم بھی جاؤ اور اپنے عہد اطاعت کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رکھ دو، جس طرح ہم نے رکھ دیا ہے اور ہاں، آپ سے ہمارے مشروب کے بارے میں بھی پوچھنا، اِس لیے کہ ہم اُس کے بارے میں پوچھنا بھول گئے ہیں، دراں حالیکہ یہ ہمارے ہاں بہت اہم معاملہ ہے۔ اِس پر وہ نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا، پھر عرض کیا: یارسول اللہ، مجھے اُن لوگوں نے کہا ہے، جو ابھی آپ کے پاس آئے تھے اور اُنھوں نے اسلام قبول کیا ہے کہ میں آپ سے اُس مشروب کے بارے میں بھی پوچھوں جو یہ لوگ جو سے بناتے اور اپنے علاقے میں پیتے ہیں اور اِسے 'مزر' کہا جاتا ہے۔ یہ سرد علاقے کے رہنے والے ہیں اور اپنے لیے خود محنت کرتے ہیں۔ اِن کے کوئی خدام نہیں ہیں جو اِن کی جگہ اِن کے کام کاج کر دیں۔ سو یہ اُس کو پی لیتے ہیں تو اِن میں محنت کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا وہ نشہ آور ہے؟ اُس نے کہا: بخدا، نشہ آور تو ہے۔ آپ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ یہ بات اُن لوگوں کو معلوم ہوئی تو بہت گھبرائے اور سب کے سب اپنے کجاووں کے پاس سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ، ہمارا علاقہ ایک سرد علاقہ ہے اور ہم اپنا کام خود کرتے ہیں، ہمارے کوئی خدام نہیں ہیں جو ہماری جگہ ہمارا کام کاج کر دیں اور یہ مشروب جو ہم اپنے ہاں پیتے ہیں، یہ جو سے بنتا ہے اور اِسے 'مزر' کہا جاتا ہے۔ ہم یہ پی لیتے ہیں تو اِس سے سردی کا مقابلہ کرنے میں مدد ملتی ہے اور ہمارے اندر محنت کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اُن کی یہ بات سن کر آپ نے پوچھا: کیا وہ نشہ آور ہے؟ اُنھوں نے کہا: جی، نشہ آور تو ہے۔ اِس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور بلاشبہ نشے کی چیز پینے والوں کے لیے اللہ نے طے کر رکھا ہے کہ وہ اُنھیں ہلاکت کی کیچڑ پلائے گا۔ اُنھوں نے پوچھا: یارسول اللہ، یہ ہلاکت کی کیچڑ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دوزخیوں کا پسینہ یا جو کچھ اُن سے نچڑے گا[1]۔

۱۔ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نشہ آور چیزوں سے ہر حال میں بچنا چاہیے، اِس لیے کہ یہ اگر کسی ضرورت کے تحت بھی استعمال کی جائیں تو قابل معافی نہیں ہیں۔ یہ آدمی کو دوزخ میں لے جانے کا باعث بن سکتی ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مستخرج ابی عوانہ، رقم ۶۲۹۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے اِس کے مصادر یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۴۵۸۵۔ صحیح مسلم، رقم ۳۷۳۹۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۵۰۶۰، ۶۵۷۰۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۶۴۲۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۶۲۹۸۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۵۹۶۳۔ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۱۵۳۱۔ معرفۃ السنن والاثار، بیہقی، رقم ۴۵۹۰۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۳ ——

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ[۱] قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”[عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ] [۲]وَرَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ [۳]يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، [۴]كَانَ أَوَّلَ مَنْ [غَيَّرَ عَهْدَ إِبْرَاهِيْمَ] [۵]وَسَيَّبَ السَّوَائِبَ“.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو وہاں اِس حال میں دیکھا کہ اپنی آنت گھسیٹتا پھر رہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے عہد کو بدل ڈالا اور جانور کو سائبہ کرنے کی رسم ڈالی[1]۔

۱۔ یعنی یہ رسم کہ اونٹنی کو منت پوری ہو جانے کے بعد آزاد چھوڑ دیا جائے۔ یہ، ظاہر ہے کہ ایک مشرکانہ رسم تھی جس کی ابتدا اِس شخص نے کی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی یہ حالت اِس لیے دکھائی گئی کہ لوگوں پر شرک و بدعت کی شناعت واضح ہو اور وہ اُن کی ہر آلایش سے اپنے دین کو پاک رکھنے کی کوشش کریں۔ پھر وہ لوگ بھی متنبہ رہیں جو آپ کے بعد آپ کی امت میں اِس طرح کی رسمیں ایجاد کرنے کی جسارت کریں گے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۴۲۸۲ سے لیا گیا ہے، اِس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے اِس روایت کو درج ذیل مصادر میں نقل کیا گیا ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۰۵۴۔ مسند احمد، رقم ۷۲۵۱، ۸۵۸۸۔ صحیح بخاری، رقم ۳۲۸۱، ۳۲۸۲۔ صحیح مسلم، رقم ۵۱۰۰، ۵۱۰۱۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۶۴۳۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۰۷۶۔ مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۱۲۸۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۳۹۵، ۷۶۵۰۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۳۱۲۸، ۹۰۰۵۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۸۹۳۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۱۰۱۷، ۱۸۱۳۸۔ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۶۸۔

یہی روایت صحیح بخاری، رقم ۴۲۸۳ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل ہوئی ہے۔

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۰۵۴۔

۳۔ صحیح مسلم، رقم ۵۱۰۰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اِس کا پورا نام 'عمرو بن لحي بن قمعة بن خندف' نقل ہوا ہے۔

۴۔ صحیح بخاری، رقم ۴۲۸۳ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اِس جگہ یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: 'قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا' ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جہنم کو دیکھا کہ اُس کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں کو توڑ رہے ہیں''۔

۵۔ صحیح ابن حبان رقم ۷۶۵۰۔

اِس روایت کے بعض طرق، مثلاً مستدرک حاکم، رقم ۸۸۹۳ کے آخر میں رسول اللہ سے منسوب یہ اضافہ نقل ہوا ہے: 'وَأَشْبَهُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ: أَكْثَمُ بْنُ أَبِي الْجَوْنِ، قَالَ: فَقَالَ أَكْثَمُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، يَضُرُّنِي شَبَهُهُ؟ قَالَ: لَا، إِنَّكَ مُسْلِمٌ، وَإِنَّهُ كَافِرٌ' ''میں نے جس کو دیکھا، اکثم بن ابی جون سب سے زیادہ اُس سے مشابہ ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اکثم نے یہ سنا تو پوچھا: یارسول اللہ، کیا اُس سے میری مشابہت، میرے لیے تکلیف کا باعث ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تم مسلمان ہو، وہ تو کافر تھا''۔

— ۴ —

حَدَّثَنِي أَبُو أُمَامَةَ الْبَاهِلِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،[۱] قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: ''بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، إِذْ أَتَانِي رَجُلَانِ، فَأَخَذَا بِضُبْعِي، فَأَتَيَا بِي جَبَلًا وَعْرًا، فَقَالَا لِي: اصْعَدْ، فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أُطِيْقُ، فَقَالَا: إِنَّا سَنُسَهِّلُهُ لَكَ، فَصَعِدْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِي سَوَاءِ الْجَبَلِ، إِذَا أَنَا بِأَصْوَاتٍ شَدِيْدَةٍ، قُلْتُ: مَا هٰذِهِ الْأَصْوَاتُ؟ قَالُوْا: هٰذَا عُوَاءُ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ انْطُلِقَ بِي، فَإِذَا بِقَوْمٍ مُعَلَّقِيْنَ بِعَرَاقِيْبِهِمْ، مُشَقَّقَةً أَشْدَاقُهُمْ، تَسِيْلُ أَشْدَاقُهُمْ دَمًا، فَقُلْتُ: مَا هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يُفْطِرُوْنَ قَبْلَ تَحِلَّةِ صَوْمِهِمْ،[۲] ثُمَّ انْطَلَقَا بِي، فَإِذَا بِقَوْمٍ أَشَدَّ شَيْءٍ انْتِفَاخًا، وَأَنْتَنَهُ رِيْحًا، وَأَسْوَأَهُ مَنْظَرًا، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الزَّانُوْنَ وَالزَّوَانِي، ثُمَّ انْطُلِقَ بِي، فَإِذَا أَنَا بِنِسَاءٍ تَنْهَشُ ثُدِيَّهُنَّ الْحَيَّاتُ، فَقُلْتُ: مَا بَالُ هٰؤُلَاءِ؟ فَقَالَ: هٰؤُلَاءِ اللَّوَاتِي يَمْنَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ أَلْبَانَهُنَّ''.

ابوامامہ باہلی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فرمایا: اِس اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ دو آدمی آئے، اُنھوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور ایک ایسے پہاڑ کے پاس لے گئے جو سخت متوحش کر دینے والا تھا۔ پھر کہنے لگے کہ اِس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا: مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ دونوں نے جواب دیا: ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کیے دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے چڑھنا شروع کیا اور پہاڑ کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ بڑی شدت کی آوازیں آرہی ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیا آوازیں ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ یہ دوزخیوں کی چیخم دھاڑ ہے۔ پھر مجھے آگے لے جایا گیا تو میں نے دیکھا کہ سامنے کچھ ایسے لوگ ہیں جنھیں اُن کی کوچوں سے

باندھ کے لٹکایا گیا ہے، اُن کے جبڑے چیر دیے گئے ہیں اور اُن سے خون بہ رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ پورا ہونے سے پہلے اُس کو توڑ دیا کرتے تھے۔ پھر وہ اور آگے لے گئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ ہیں جن کے جسم بری طرح پھولے ہوئے ہیں، اُن سے سخت بدبو اٹھ رہی اور وہ بڑا ہول ناک منظر پیش کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے بتایا: یہ زنا کرنے والے مرد اور عورتیں ہیں۔ پھر مجھے آگے لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے کچھ عورتیں ہیں جن کی چھاتیوں کو اژدہے ڈس رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: اِن کا کیا معاملہ ہے؟ لے جانے والے نے بتایا: یہ وہ عورتیں ہیں جو بچوں کو اپنے دودھ سے محروم رکھتی تھیں[۱]۔

۱۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤیا ہے، جس طرح کہ روایت کی ابتدا میں بیان ہوا ہے۔ انبیا علیہم السلام کو اِس طرح کے رؤیا اِس لیے دکھائے جاتے ہیں کہ اِن کے حوالے سے وہ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں۔ اِن میں جو سزائیں دکھائی جاتی ہیں، وہ تمثیلی ہوتی ہیں، بالکل اُسی طرح، جیسے ہم خواب میں بہت سی چیزیں تمثیل کے پیرایے میں دیکھتے ہیں۔ اِن سے مقصود یہ ہوتا کہ لوگ اِن کو سن کر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا کچھ اندازہ کر لیں اور اُن جرائم سے باز رہیں جن کی یہ سزائیں دکھائی گئی ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مستدرک حاکم، رقم ۲۷۶۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے اِس کے مصادر یہ ہیں: السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۳۱۹۷۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۱۸۷۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۶۵۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۴۹۹۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۷۳۹۶۔

۲۔ روایت کے مختلف طرق، مثلاً السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۳۱۷۹ میں اِس جگہ یہ اضافہ نقل ہوا ہے: 'فَقَالَ خَابَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی' ''فرمایا: یہود ونصاریٰ نامراد ہوگئے''۔ اِسی روایت کے ایک راوی سلیم بن عامر الکلاعی نے اِس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ: 'فَلَا أَدْرِي شَيْءٌ سَمِعَهُ أَبُوْ أُمَامَةَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ أَوْ شَيْءٌ مِنْ رَأْيِهِ' ''مجھے نہیں معلوم کہ ابوامامہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی یا پھر یہ اُن کی ذاتی رائے تھی''۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۱۸۷۰ میں بالکل

یہی بات ایک دوسرے راوی الربیع بن سلیمان المرادی سے بھی نقل ہوئی ہے۔

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان.** ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، على بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤٨١هـ /١٩٩٨م). **المعجم الصحابة** .ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة مكرمة: نزار مصطفىٰ الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب**. ط١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). **معرفة الصحابه** .ط١. تـحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل.** ط١. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسماعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح.** ط٣. تحقيق: مصطفىٰ ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **السنن الكبرىٰ.** ط١. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن**

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الحجاج. ط ١ . تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي** . ط ١ . تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين اللّٰه. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي.(١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال.** ط ١ . تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **صحيح المسلم**. ط ١ . تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرٰى**. ط ٢ . تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرٰى**. ط ١ . تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حسب ونسب: ابوطالب اور زبیر بن عبدالمطلب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا، جب کہ حضرت حمزہ آپ کے سوتیلے چچا تھے۔ بنو مخزوم سے تعلق رکھنے والی فاطمہ بنت عمرو آپ کی دادی تھیں۔ حضرت حمزہ کی والدہ کا نام ہالہ بنت اہیب (یا وہیب) تھا۔ دونوں خواتین آپ کے دادا عبدالمطلب کے نکاح میں آنے والی سات بیبیوں میں شامل تھیں۔ مقوم (یا عبدالکعبہ) اور حجل (اصل نام: مغیرة) حضرت حمزہ کے سگے بھائی، جب کہ حضرت صفیہ بن عبدالمطلب ان کی سگی بہن تھیں۔ ہالہ بنت اہیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن تھیں، عبد مناف دونوں کے دادا تھے۔ حضرت قریش سے تعلق رکھنے کی وجہ سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب قریشی اور اپنے دادا ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے ہاشمی کہلاتے ہیں۔ حضرت حمزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار (یا دو: ابن عبدالبر) برس بڑے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی باندی ثویبہ نے اپنے بیٹے مسروح کے ساتھ آپ کو دودھ پلایا، قبل ازیں وہ حضرت حمزہ کی رضاعت کر چکی تھی اور آپ کے بعد حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کی دودھ پلائی بھی اس کے ذمہ آئی۔ اس طرح آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور مسروح رضاعی بھائی ہوئے۔ ابوعمارہ اور ابویعلیٰ حضرت حمزہ کی کنیتیں تھیں۔ حضرت حمزہ کا قد میانہ تھا۔

عبدالمطلب کی نذر: چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی کے وقت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے اور وہ بالغ ہو کر ان کی حفاظت کرنے کے قابل ہو گئے تو ان میں سے ایک کو کعبہ

کے پاس قربان کر دیں گے۔ چنانچہ جب حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، عباس، حمزہ، ابوطالب اور عبداللہ جوان ہوئے تو انھوں نے ان کو اپنی نذر کے بارے میں بتایا۔ ان کی آمادگی کے بعد قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے بیٹے کا فیصلہ کرنے کے لیے انھوں نے ہبل بت کے سامنے رکھے ہوئے قرعہ اندازی کے سات پیالوں سے مدد لی۔ سب سے چھوٹے اور محبوب ترین بیٹے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کا نام نکلا تو قریش کے اصرار پر ایک کاہنہ سجاح کی مدد لی گئی۔ اس کی تجویز پر بیٹے کے بجائے سو اونٹوں کا فدیہ دیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق عبدالمطلب کے بارہ یا تیرہ بیٹے ہوئے۔

عبدالمطلب کی بنو زہرہ سے رشتہ داری: عبدالمطلب ایک دفعہ یمن کے سفر پر گئے تو راستے میں ایک یہودی عالم نے ان کے ہاتھ (نتھنے: ابن جوزی) دیکھ کر بتایا کہ آپ کے ہاتھوں میں نبوت و حکومت کے آثار ہیں، لیکن ان کا تعلق قبیلۂ بنو زہرہ سے ہے۔ آپ مکہ جا کر کسی زہریہ سے شادی کر لیں، چنانچہ انھوں نے بنو زہرہ کی ہالہ بنت وہب سے نکاح کر لیا۔ ان سے حضرت صفیہ اور حضرت حمزہ پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب کے چھوٹے بیٹے عبداللہ کی شادی بنو زہرہ ہی کی آمنہ بنت وہب سے ہوئی۔ ان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی۔ حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ ہالہ کی عبدالمطلب سے اور آمنہ کی ان کے بیٹے عبداللہ سے شادی ایک ہی روز ہوئی (مستدرک حاکم، رقم ۴۸۷۷)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جنگ فجار: عام الفیل کے بیس سال بعد ۵۸۸ء میں چوتھی اور آخری جنگ فجار ہوئی۔ زبیر بن عبدالمطلب نے بنو ہاشم کی نمایندگی کی۔ ابوطالب بن عبدالمطلب، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عباس بن عبدالمطلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم کے دستے میں شامل تھے۔ آپ اپنے چچاؤں اور اہل قبیلہ کو تیر پکڑاتے جاتے تھے۔ عکاظ کے مقام پر لڑی جانے والی اس جنگ میں قریش اور اس کے اتحادی کنانی قبائل کو بنو قیس پر فتح حاصل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ جنگ فجار میں حصہ لیا اور اس میں تیر اندازی کی۔ اس شرکت پر مجھے کوئی پشیمانی نہیں۔

حضرت خدیجہ کا پیام: نوجوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں نیک نامی اور امانت کے چرچے ہوئے تو حضرت خدیجہ نے نفیسہ بنت منیہ کو پیغام بر بنا کر آپ کی طرف بھیجا۔ اس وقت حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، صحیح روایت کے مطابق تب ان کے والد خویلد بن اسد وفات پا چکے تھے۔ یہ مقدس رشتہ طے ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں ابوطالب، حضرت حمزہ اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کے ساتھ سیدہ خدیجہ کے مکان پر آئے۔ آپ

کے سرپرست اور چچا ابو طالب نے وہ مختصر خطبہ پڑھا جو ادب عربی کا حصہ بن گیا ہے۔ پانچ سو درہم (یا بیس اونٹ) مہر کے عوض یہ نکاح انجام پایا۔ یہ بعثت سے پندرہ سال پہلے ۲۵ عام الفیل کا سن تھا، آپ کی عمر مبارک پچیس برس اور ام المومنین خدیجہ کی چالیس سال تھی۔

اقربا کو دعوت: جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا: 'وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'، ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو'' (الشعراء ۲۶: ۲۱۴) تو حضرت علی کو دعوت کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تمام بنو عبدالمطلب کو جمع کر لینا تا کہ میں ان تک اپنی بات پہنچا سکوں۔ آپ کے چچا ابو طالب، حضرت حمزہ، حضرت عباس اور ابولہب سمیت چالیس کے قریب آدمی اکٹھے ہوئے، سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ بات شروع کرنے لگے تھے کہ ابولہب مہمانوں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا: علی، کل پھر یہی اہتمام ہو، اس شخص نے مجھے بات نہیں کرنے دی۔ اگلے دن خورونوش کے بعد آپ نے فرمایا: اے بنو کعب بن لوی، اپنے آپ کو جہنم سے بچا لو؛ اے بنو ہاشم، اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لو؛ اے بنو عبدالمطلب، اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں دین حق کی طرف بلاؤں۔ تم میں سے کون اس کام میں میرا مددگار بنے گا؟ حضرت علی کہتے ہیں کہ سب خاموش رہے تو میں نے آپ کے ساتھ تعاون کرنے کا اعلان کیا، حالاں کہ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔

ابولہب کی ایذا رسانی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب آپ کا پڑوسی تھا۔ وہ اپنے گھر کا پاخانہ اور گندگی آپ کے دروازے پر پھینک دیتا تھا۔ آپ صرف اتنا فرماتے: اے بنو عبدالمطلب، تم کیسے ہم سایے ہو؟ ایک روز حضرت حمزہ نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا تو پاخانہ اٹھا کر ابولہب کے سر پر ڈال دیا۔ وہ سر جھاڑتا جاتا اور کہتا جاتا: صابی، احمق۔ ابولہب پھر خود یہ حرکت کرنے سے باز آ گیا، تاہم اس طرح کے لوگوں کے ساتھ مل کر سازشیں کرتا رہا۔

قبول اسلام: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ۶ نبوی (۵ نبوی: ابن جوزی، ۲ نبوی: ابن عبدالبر، ابن اثیر) میں ایمان لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تھے کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے آپ کو برا بھلا کہا، گالی گلوچ کی اور دین اسلام کا استہزا کیا۔ جواب میں آپ خاموش رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی اپنے گھر بیٹھی سن رہی تھی۔ ابوجہل صفا سے کعبہ کے پاس قریش کی منعقدہ بیٹھک میں آ بیٹھا۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب شکار سے واپسی پر گلے میں کمان لٹکائے آ گئے۔ ان کا طریقہ تھا، شکار کرنے کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے، قریش کی مجلس میں بیٹھتے، حاضرین سے سلام دعا اور گپ شپ کرتے۔ اس کے بعد ہی وہ گھر لوٹتے۔ گھر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے راستے میں انھیں عبداللہ بن جدعان کی باندی ملی اور کہا: اے ابوعمارہ، کاش! آپ دیکھ لیتے، آپ کے بھتیجے محمد نے ابوالحکم بن ہشام کا کیسا سلوک برداشت کیا۔ اس نے انھیں سب وشتم کیا اور ایذا پہنچائی، لیکن وہ چپ رہے۔ حضرت حمزہ کو سخت غصہ آیا، غیظ وغضب سے پر دوڑتے دوڑتے ابوجہل کے پاس پہنچ گئے اور کمان اس کے سر پر دے ماری۔ اس کا سر پھاڑ کر بولے: میں نے بھی محمد کا دین اختیار کر لیا ہے اور انھی باتوں کا قائل ہو گیا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ مجھے روک سکتا ہے تو روک لے۔ ابوجہل کے قبیلے بنومخزوم کے لوگ اس کی حمایت میں کھڑے ہوئے تو اس نے خود انھیں روک دیا اور کہا: ابوعمارہ کا غصہ بجا ہے، میں نے اس کے بھتیجے کو بہت برا کہا ہے۔ قبول اسلام کے بعد حضرت حمزہ گھر گئے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تم قریش کے سردار ہو کر اس دین کو مان آئے ہو جس کے ہدایت ہونے پر تمھارا پورا یقین نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سمجھایا اور تسلی دی تو وہ مطمئن اور پر یقین ہو گئے۔ حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے بعد مکہ کے اہل ایمان کو بڑی تقویت ملی۔ مختلف قبائل اسلام کی طرف مائل ہونے لگے (مستدرک حاکم، رقم ۴۸۷۸)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی قبول ہوئی کہ اے اللہ، میرے محبوب چچاؤں حمزہ اور عباس کے ذریعے سے مجھے طاقت دے۔ ان دونوں کے علاوہ آپ کا کوئی چچا اسلام نہ لایا۔

۶ ؍ نبوی میں حضرت عمر اپنی مسلمان ہونے والی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب اور مسلم بہنوئی حضرت سعید بن زید کی سر پھٹول کرنے کے بعد شرمندہ ہوئے۔ ان کو مائل بہ ایمان دیکھ کر حضرت خباب بن ارت دار ارقم لے آئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت حمزہ اور دیگر مخلص اہل ایمان جمع تھے۔ حضرت عمر نے دروازہ کھٹکھٹایا، ایک صحابی نے آپ کو بتایا کہ عمر گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے ہیں۔ حضرت حمزہ بولے: ان کو آنے دیں، اگر بھلا چاہیں گے تو ہم جی جان سے تعاون کریں گے اور اگر ارادہ برا ہوا تو انھی کی تلوار سے ان کا کام تمام کر دیں گے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کی طرف بڑھے اور ان کی چادر زور سے کھینچ کر بولے: ابن خطاب، کیسے آئے ہو؟ حضرت عمر نے ایمان لانے کا اعلان کیا تو آپ نے زور سے 'اللہ اکبر' کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت عمر حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے تین دن بعد ایمان لائے۔ انھوں نے ایمان قبول کرتے ہی کہا: یا رسول اللہ، کیا ہم حق پر نہیں؟ تو پھر ہم کیوں چھپ چھپ کر جییں؟ اس کے بعد مسلمان دو صفیں بنا کر حرم میں پہنچے: ایک میں حضرت عمر اور دوسری میں حضرت حمزہ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا علانیہ طواف کیا اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

حضرت حمزہ کے ایمان لانے کے بعد ہی حضرت عبداللہ بن مسعود نے مقام ابراہیم پر، جہاں قریش کی بیٹھک جمی ہوئی تھی، بلند آواز میں سورۂ رحمٰن تلاوت کرنے کی ہمت کی۔ یہ الگ بات ہے کہ قریش نے مار پیٹ کر ان کا منہ سجا دیا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شعب ابوطالب: متعدد مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کر جانے اور حضرت حمزہ کے ایمان لانے کے بعد مشرکین کو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت روکنے کا اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہ سوجھا کہ مسلمانوں کا معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ تمام رؤسائے قریش نے اہل ایمان کے سماجی مقاطعہ کا معاہدہ تحریر کیا اور اس پر دستخط ثبت کر کے کعبہ میں لٹکا دیا۔ مسلمان تین سال شعب ابوطالب میں محصور رہے، قریش نے ان کی غلہ وحاجات ضروریہ کی رسد روک رکھی تھی۔ ایک بار حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام اپنی پھوپھی کے لیے گندم لے کر جا رہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھ لیا۔ اس نے انھیں روکنا چاہا تو ابوالبختری بن ہشام نے ٹوکا۔ اس پر ان دونوں میں لڑائی مار کٹائی ہوگئی۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب پاس کھڑے دیکھ رہے تھے۔

رویت جبریل: حضرت حمزہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل شکل میں دکھا دیں۔ آپ نے فرمایا: آپ ان کو دیکھ نہ سکیں گے۔ انھوں نے اصرار کیا تو آپ نے دکھایا کہ حضرت جبرئیل کعبہ کی اس لکڑی پر اترے جس پر طواف کرنے والے اپنے کپڑے لٹکا دیتے ہیں۔ ان کے پاؤں سبز زمرد کی طرح تھے۔ حضرت حمزہ انھیں دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہجرت مدینہ: ساکنان مکہ کو ہجرت کا اذن ہوا تو حضرت حمزہ بھی شہر نبی پہنچ گئے۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق حضرت حمزہ، حضرت زید بن حارثہ، حضرت حمزہ کے حلیف حضرت ابومرثد کناز بن حصین، ان کے بیٹے مرثد، حضرت انسہ اور حضرت ابوکبشہ قبا میں بنوعمرو بن عوف کے حضرت کلثوم بن ہدم کے ہاں ٹھیرے۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ سب حضرات حضرت سعد بن خیثمہ کے مہمان ہوئے۔ تیسری روایت بتاتی ہے کہ حضرت حمزہ نے بنونجار کے حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں قیام کیا۔ مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، حضرت جعفر اور حضرت علی کے گھر اپنے گھر کے ساتھ تعمیر کرائے، حالاں کہ حضرت جعفر ابھی حبشہ سے نہ لوٹے تھے۔ ان اصحاب کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے جو بعد میں آپ نے اللہ کے حکم سے بند کرا دیے۔ آپ نے فرمایا: ''اس مسجد میں کوئی دریچہ کھلا نہ رہنے پائے، سوائے دریچۂ ابوبکر کے'' (بخاری، رقم ۴۶۷۔ مسلم، رقم ۶۲۴۵)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کا بڑا دروازہ ہی مسجد کے اندر تھا، اسے بند کرنا ممکن نہ تھا۔

مواخات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف آوری کے بعد حضرت انس بن مالک کے گھر میں پینتالیس (یا پچاس) مہاجرین اور اتنی ہی تعداد انصار کی جمع کی اور ان میں باہمی مواخات قائم فرمائی۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنا اسلامی بھائی بنایا۔ آپ نے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی قرار دینے کے

ساتھ کچھ مہاجرین میں باہمی مواخات بھی قرار فرمائی۔ آپ نے اپنے آزاد کردہ حضرت زید بن حارثہ کو حضرت حمزہ کا مومن بھائی قرار دیا۔ اسی بنا پر حضرت حمزہ نے جنگ احد میں اپنی شہادت کی صورت میں حضرت زید کے حق میں وصیت کی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ شروع سے حضرت زید کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔

سریۂ حمزہ بن عبدالمطلب: رمضان ۱ھ (۶۲۳ء) ہجرت مدینہ کے سات (دوسری روایت: بارہ) ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کو سفید علم عطا کر کے ساحل سمندر (سیف البحر) کی طرف عیص کے مقام پر بھیجا جو قریش کی شام سے تجارت کے راستے پر واقع تھا۔ تیس مہاجر صحابہ ان کے ساتھ تھے۔ ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ ساحل پر ان کا سامنا ابوجہل کے قافلے سے ہوا جو مکہ کے تین سو گھڑ سواروں کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ مجدی بن عمرو دونوں فریقوں کا حلیف تھا، اس نے ان میں بیچ بچاؤ کرا دیا اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ زہری، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا کہنا ہے کہ یہ تاریخ اسلامی کا پہلا سریہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پرچم حضرت حمزہ کے سپرد فرمایا، وہ آپ کا عطا کردہ پہلا جنگی پرچم تھا۔ اسے حضرت ابومرثد نے تھامے رکھا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ شوال ۱ھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ (یا اسی) مہاجرین کا ایک دستہ ترتیب دیا اور حضرت عبیدہ بن حارث کی قیادت میں اسے بطن رابغ جانے کا حکم دیا۔ حضرت عبیدہ کو آپ نے جو پرچم عنایت کیا، وہ پہلا اسلامی پرچم تھا۔ زہری کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت حمزہ کو سیف البحر (ساحل) کی طرف بھیجا، پھر غزوۂ ابوا میں تشریف لے گئے، وہاں سے آپ لوٹے تو حضرت عبیدہ بن حارث کو روانہ فرمایا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ کے سریے ایک ساتھ روانہ کیے گئے تھے، اس لیے اس باب میں اہل تاریخ میں اختلاف رونما ہو گیا۔ ہم نے اہل علم سے جو سماع کیا، اس کے مطابق حضرت عبیدہ بن حارث پہلے پرچم بردار تھے۔ حضرت حمزہ کی طرف منسوب کچھ اشعار میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ انھیں پہلا علم اسلامی بلند کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اگر یہ اشعار واقعی حضرت حمزہ کے ہیں تو ان کا دعویٰ سچ ہی ہو گا، لیکن افسوس کہ عربی شاعری کے اکثر علما ان کی طرف اشعار کی نسبت درست نہیں مانتے:

فما برحوا حتی انتدبت لغارة لهم حیث حلوا أبتغي راحة الفضل

''مشرکین اپنے کفر پر قائم رہے، یہاں تک کہ میں ان کے پڑاؤ کرنے کی جگہ چھاپا مارنے لپکا، مجھے فضیلت و سبقت کی تمنا تھی۔''

بأمر رسول الله ، أول خافق علیه لواء لم یکن لاح من قبلي

''یہ رسول اللہ کے حکم سے ہوا، اس سریہ پر پہلا پرچم پھڑ پھڑا رہا تھا جو مجھ سے پہلے نمودار نہ ہوا تھا۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

لواء لديه النصر من ذي كرامة إلـه عزيز فعله أفضل الفعل

''یہ پرچم ایسا تھا کہ اللہ عزیز و مقتدر کی مدد ساتھ تھی جو ایسا زبردست الٰہ ہے جس کا کرنا سب سے خوب کرنا ہے۔''

ابن حجر نے دونوں روایتوں میں یوں تطبیق کی کہ پرچم کے لیے عربی میں دو لفظ 'رایہ' اور 'لواء' آتے ہیں۔ عبیدہ کے لیے 'رایہ' اور حمزہ کے لیے 'لواء' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ممکن ہے، دونوں کی اولیت اس خاص نام کے حوالے سے درست ہو۔ بیہقی کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو سرایا کے سلسلے کا پہلا امیر مقرر فرمایا۔

غزوۂ ودان یا غزوۂ ابوا: ۱۲؍ ربیع الاول ۲ھ (جون ۶۲۳ء) ہجرت کے بارھویں ماہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلے کا تعاقب کرنے کے لیے فرع کے گاؤں ودان روانہ ہوئے، ابوا یہاں سے چھ میل دور واقع ہے۔ آپ کا سفید علم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے بلند کر رکھا تھا۔ قریش سے مقابلہ تو نہ ہوا، تاہم بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے معاہدۂ صلح طے ہو گیا۔ ابن سعد کہتے ہیں: غزوۂ ودان ہی غزوۂ ابوا ہے۔

غزوۂ ذو العشیرہ: جمادی الاولیٰ ۲ھ (اکتوبر ۶۲۳ء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کو جانے والے قریش کے قافلے کو روکنے کے لیے مدینہ سے سو میل دور مکہ کی جانب ینبع کے قریب واقع مقام عشیرہ (یا ذو العشیرہ) تک پہنچے۔ ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کا پرچم حضرت حمزہ نے اٹھا رکھا تھا۔ اس مہم میں کسی جنگ کی نوبت نہ آئی، البتہ بنومدلج اور بنوضمرہ کے حلیف قبائل سے صلح ہو گئی۔

غزوۂ بدر سے پہلے ہونے والے سرایا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو اس لیے شامل نہیں فرمایا، کہ انھوں نے آپ سے عہد کیا تھا کہ ہم اپنے گھر میں آپ کی حفاظت کریں گے۔

جنگ بدر: ۱۷؍ رمضان ۲ھ (۱۳؍ مارچ ۶۲۴ء) کو بدر کے میدان میں کفر و اسلام کا فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ ۳؍ رمضان کو تین سو سے زائد مسلمان مدینہ سے چلے تو ان کے پاس محض ستر اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور حضرت ابولبابہ باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے رہے، روحا کے مقام پر پہنچ کر آپ نے حضرت ابولبابہ کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے واپس بھیج دیا تو حضرت مرثد غنوی آپ کے شریک سفر بن گئے۔ حضرت حمزہ، حضرت زید بن حارثہ، حضرت ابوکبشہ اور حضرت انسہ نے ایک اونٹ پر باری لی۔ میدان جنگ میں حضرت علی نے مہاجرین کا پرچم اٹھایا، جب کہ حضرت سعد بن عبادہ نے انصار کا پرچم تھاما۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا: مشرکوں کی فوج کے قریب کھڑے حمزہ سے پوچھو، کون ہے جو سرخ اونٹ پر پھر رہا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ عتبہ بن ربیعہ ہے جو اپنی فوج کو جنگ سے باز رہنے کی اپیل کر رہا ہے (مسند احمد، رقم ۹۴۸)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سب سے پہلے اسود بن عبدالاسد مخزومی نکلا اور بولا: میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا یا اسے ڈھاؤں گا یا اس کے پاس مر جاؤں گا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اس کا مقابلہ کرنے آئے اور تلوار کا وار کر کے اس کی آدھی پنڈلی کاٹ پھینکی۔ وہ کمر کے بل گرا اور اپنی قسم پوری کرنے کے لیے حوض میں جا گرا۔ حضرت حمزہ نے اس کا پیچھا کیا اور ایک اور وار کر کے حوض کے اندر اس کا خاتمہ کر دیا۔

ابوجہل نے صلح کی بات کرنے پر طعن و تشنیع کی تو عتبہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ آگے بڑھے اور دعوت مبارزت (duel) دی۔ انصار میں سے حضرت عوف بن عفرا، حضرت معوذ بن عفرا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ان کا سامنا کرنے آئے تو پوچھا: تم کون ہو؟ بتایا: گروہ انصار۔ عتبہ بولا: ہمارا تم سے کوئی مطلب نہیں۔ پھر ایک مشرک نے آواز دی: اے محمد، ہماری قوم کے، ہم سے برابر کی چوٹ رکھنے والوں کو بھیجو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پسند نہ کیا کہ قریش کی پہلی ٹکر انصار سے ہو۔ آپ پکارے: اے بنی ہاشم، اٹھ کر مقابلہ کرو، اٹھو، حمزہ! اٹھو، عبیدہ بن حارث، اٹھو، علی! تینوں نکل کر آئے تو عتبہ نے ان کے نام پوچھے، کیونکہ جنگی لباس پہننے کی وجہ سے وہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ حضرت حمزہ نے کہا: میں شیر خدا اور شیر رسول حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔ حضرت علی نے کہا: میں بندۂ خدا اور برادر رسول علی بن ابوطالب ہوں۔ حضرت عبیدہ نے کہا: میں حلیف رسول عبیدہ بن حارث ہوں۔ عتبہ بولا: اب برابر کے، صاحب شرف لوگوں سے جوڑ پڑا ہے۔ اولاً اس نے اپنے بیٹے ولید کو بھیجا، حضرت علی اس کے مقابلے پر آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار سے وار کیا۔ ولید کا وار خالی گیا، جب کہ حضرت علی نے ایک ہی ضرب میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر عتبہ خود آگے بڑھا اور حضرت حمزہ اس کا سامنا کرنے نکلے۔ ان دونوں میں بھی دو ضربوں کا تبادلہ ہوا اور عتبہ جہنم رسید ہوا۔ اب شیبہ کی باری تھی، حضرت عبیدہ بن حارث سے اس کا دوبدو مقابلہ ہوا، دونوں نے ایک دوسرے پر کاری ضربیں لگائیں۔ حضرت عبیدہ کی پنڈلی پر تلوار لگی اور ان کا پاؤں کٹ گیا۔ جنگی روایت کے مطابق حضرت حمزہ اور حضرت علی فاتح ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھی کی مدد کر سکتے تھے۔ دونوں پلٹ کر شیبہ پر پل پڑے، اسے جہنم رسید کیا اور زخمی حضرت عبیدہ کو اس حال میں اٹھا کر لے آئے کہ ان کی ٹانگ کی نلی سے گودا بہہ رہا تھا۔ ان کی شہادت اسی زخم سے ہوئی۔

ابن اسحٰق، طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت حمزہ کا روبرو مقابلہ شیبہ سے ہوا اور انھوں ہی نے شیبہ کو جہنم رسید کیا۔ اس طرح عتبہ اور حضرت عبیدہ میں دوبدو جنگ ہوئی جس میں دونوں زخمی ہوئے۔ پھر حضرت علی اور حضرت حمزہ نے مل کر عتبہ کو انجام تک پہنچایا۔ ابن سعد کی روایت اس کے برعکس ہے، ان کا کہنا ہے کہ روبرو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مقابلے کے بعد حضرت حمزہ نے عتبہ کو قتل کیا، جب کہ شیبہ نے حضرت عبیدہ کا سامنا کیا۔ خلاف اکثریت ہونے کے باوجود اس روایت کو ترجیح دینا پڑتی ہے، کیونکہ یہ حقائق سے زیادہ موافقت رکھتی ہے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ سے بدلہ لینے کی قسم اس لیے کھائی تھی، کہ اس کا باپ انھی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ چنانچہ اگلے برس جنگ احد ہوئی اور حضرت حمزہ حبشی غلام وحشی کا نیزہ لگنے کے بعد شہید ہوئے تو اسی انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے ہند نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا اور پھر اگل دیا۔ سنن ابوداؤد میں ایک تیسری ترتیب مذکور ہوئی ہے۔ حضرت علی خود روایت کرتے ہیں کہ ''حمزہ عتبہ کی طرف بڑھے اور میں (علی) نے شیبہ کا سامنا کیا۔ عبیدہ اور ولید میں دو ضربوں کا تبادلہ ہوا، دونوں نے ایک دوسرے کو شدید زخمی کر کے گرا دیا۔ پھر حمزہ نے اور میں نے ولید کو قتل کیا اور عبیدہ کو اٹھا لائے'' (رقم ۲۶۶۵)۔

جنگ بدر کے دن حضرت حمزہ نے حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ مل کر ابوسفیان کے ایک بیٹے حنظلہ کو قتل کیا اور دوسرے بیٹے عمرو کو قید کر لیا۔ انھوں نے طعیمہ بن عدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دینے والے ابوقیس بن فاکہ کو جہنم واصل کیا۔ نبیہ بن حجاج کو حضرت حمزہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے مل کر قتل کیا۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق ابوقیس بن ولید بھی حضرت حمزہ کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ عتیب بن زمعہ حضرت حمزہ اور حضرت علی کی مشترکہ کاوش سے قتل ہوا۔ عائذ بن سائب بدر کے دن قید ہوا، پھر فدیہ دے کر چھوٹا، تاہم مکہ لوٹتے ہوئے دوران جنگ میں حضرت حمزہ کے لگائے ہوئے زخم سے ہلاک ہوا۔

غزوۂ بدر کے روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اپنے پرانے مشرک دوست امیہ بن خلف سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا: وہ شخص کون ہے جس نے اپنے سینے پر شترمرغ کے پر لگا رکھے ہیں؟ انھوں نے بتایا: یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ امیہ بولا: یہی تو ہے جس نے (آج) ہمیں بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ قریش کہتے تھے کہ آج ہمیں صفیہ بنت عبدالمطلب کے بھائی حمزہ، بیٹے زبیر بن عوام اور بھتیجے علی بن ابوطالب نے بہت نقصان پہنچایا۔

غزوۂ بدر میں قریش کے ستر افراد نے جہنم کی راہ دیکھی اور ستر ہی مسلمانوں کی قید میں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے قیدیوں کے بارے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے مشورہ دیا کہ یہ ہمارے ہی چچیرے اور بھائی بند ہیں، ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ ہمیں مال مل جائے گا اور عین ممکن ہے، اللہ انھیں ہدایت دے دے۔ حضرت عمر نے کہا: میری رائے مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فلاں شخص میرے سپرد کر دیا جائے اور میں اس کی گردن اڑا دوں، عباس کو حمزہ کے حوالے اور عقیل علی کو سونپ دیا جائے۔ یہ ان کا سر قلم کر دیں تاکہ اللہ کو علم ہو کہ ہم قائدین کفار

سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی راے پر عمل کیا، تاہم اللہ کی طرف سے ناراضی کی آیات نازل ہوئیں: 'تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ'، 'تم دنیا کے سروسامان کی خواہش کر رہے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے' (الانفال ۸: ۶۷)۔ پھر فدیہ قبول کرنے کی اجازت دے دی گئی (مسند احمد، رقم ۲۰۸)۔

غزوۂ بنوقینقاع: ۲ھ (۶۲۴ء) جنگ بدر کے بعد قبیلۂ بنوقینقاع کے یہود نے عہد شکنی کی۔ ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت سے بدتمیزی کی تو ایک مسلمان نے اسے قتل کر دیا۔ جنگ کی نوبت آئی تو یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن جاری رہا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب جیش اسلامی کے علم بردار تھے۔ غزوۂ بنوقینقاع کے مال غنیمت میں سے پہلی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خمس نکالا گیا۔

حرمت خمر: حضرت علی خود روایت کرتے ہیں کہ (۲ھ میں) جنگ بدر کے بعد مال غنیمت تقسیم ہوا تو میرے حصے میں ایک اونٹنی آئی، پھر ایک اونٹنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس میں سے مجھے عطا کر دی۔ ایک دن میں نے دونوں اونٹنیاں ایک انصاری کے دروازے پر باندھیں، میں ان پر خوش بودار گھاس اذخر ڈھونا چاہتا تھا تاکہ (اسے سناروں کے ہاتھ) بیچ کر سیدہ فاطمہ کے ساتھ اپنے ولیمے کا خرچ نکالوں۔ بنوقینقاع کا ایک (یہودی) زرگر میرے ساتھ تھا۔ (اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اس گھر کے اندر شراب نوشی کر رہے تھے، ایک باندی ان کے ساتھ تھی۔ وہ پکاری: او حمزہ، یہ اونچی کوہانوں والی پلی ہوئی اونٹنیاں (تو دیکھو)۔ حضرت حمزہ نے تلوار لے کر اونٹنیوں پر حملہ کر دیا، ان کی کوہانیں کاٹ ڈالیں، پہلو چیر دیے اور کلیجے نکال دیے۔ حضرت علی نے یہ ہول ناک منظر دیکھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے۔ حضرت زید بن حارثہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اپنی چادر اوڑھی اور حضرت علی اور حضرت زید کے ساتھ حضرت حمزہ کے پاس پہنچے اور سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ حضرت حمزہ کا نشہ ابھی اترا نہ تھا، بولے: تم سب تو میرے آبا کے غلام ہو۔ آپ کو معلوم ہوا کہ وہ نشے میں ہیں تو فوراً پلٹ آئے (بخاری، رقم ۲۳۷۵۔ مسلم، رقم ۵۱۷۱۔ ابوداؤد، رقم ۲۹۸۶۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۱)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے خمس نکالا گیا اور ابوعبید کی راے درست نہیں کہ خمس کا حکم غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔

جنگ احد: ۱۵ (۷: ابن سعد) شوال ۳ھ (جنوری ۶۲۵ء) میں جنگ احد ہوئی۔ جنگ بدر میں ہلاک ہونے والے قریشی سرداروں کے بیٹوں نے ابوسفیان کی مالی مدد سے مسلمانوں سے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کا پروگرام

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بنایا۔ ۵/شوال کو لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو حضرت عباس نے خط لکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، اکابر مہاجرین و انصار کا بھی یہی خیال تھا، لیکن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت نعمان بن مالک اور انصار کی ایک جماعت نے اصرار کیا کہ یا رسول اللہ، ہمارا دشمن یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم اس کا دو بدو مقابلہ کرنے سے گھبرا رہے ہیں۔ جب آپ تلوار حمائل کیے ہوئے میدان جنگ چلنے کو تیار ہو گئے تو یہ اصحاب نادم ہوئے اور اپنی رائے واپس لینے کا اعلان کیا۔ آپ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ زرہ پہن لے اور پھر اتار دے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو علم سونپا، حضرت زبیر بن عوام کو رسالہ کا امیر مقرر کیا اور حضرت حمزہ کو جو پیادہ فوج کے ساتھ تھے، آگے بھیج دیا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کی گھاٹی میں جیش صحابہ کو اس طرح ترتیب دیا کہ پہاڑ آپ کے پیچھے تھا۔ میمنہ پر حضرت علی، میسرہ پر حضرت منذر بن عمرو اور قلب پر حضرت حمزہ متعین تھے۔ جنگ کا بازار گرم ہوا تو حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور خوب قتال کیا۔ حضرت حمزہ 'میں اسد اللہ اور اسد رسول ہوں' کا نعرہ لگاتے ہوئے دو دو تلواروں سے لڑتے رہے، جام شہادت نوش کرنے سے پہلے انھوں نے تیس مشرکوں کو ٹھکانے لگایا۔ حکیم بن حذام جنگ بدر میں مشرکوں کی جانب سے لڑ رہے تھے اور حوض کے پاس کھڑے تھے، حضرت حمزہ کی تلوار انھیں چھونے ہی لگی تھی کہ وہ اچانک ان کے سامنے سے گھسٹ کر پرے ہو گئے۔ مشرکوں کا علم بردار عثمان بن طلحہ عورتوں کی صف کے آگے رجز پڑھ رہا تھا:

إن علی أهل اللواء حقًا   أن تخضب الصعدة أو تندقا

''پرچم اٹھانے والے کے لیے لازم ہے کہ اس کا نیزہ خون سے بھر جائے یا ٹوٹ جائے۔''

حضرت حمزہ نے اس کے کاندھے پر تلوار کا ایسا زبردست وار کیا جو اس کے کاندھے اور ہاتھ کو کاٹتا ہوا کمر تک جا پہنچا اور اس کا پھیپھڑا نظر آنے لگا۔ پھر یہ نعرہ لگاتے ہوئے پلٹے کہ میں حاجیوں کو پانی پلانے والے (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔ حضرت حمزہ (دوسری روایت: حضرت علی) نے مشرکوں کے دوسرے پرچم بردار ارطاۃ بن عبد شرحبیل کو بھی جہنم رسید کیا۔ پھر یہ پرچم یکے بعد دیگرے سات مشرکوں نے اٹھایا، لیکن باری باری ساتوں صحابہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے مکہ میں عورتوں کا ختنہ کرنے کی ماہر ام انمار کے بیٹے سباع بن عبدالعزیٰ کو تلوار کا وار کر کے دوزخ کی راہ دکھائی۔ یہ ان کا آخری شکار تھا۔ اسی اثنا میں جبیر بن مطعم کے غلام وحشی اسود نے انھیں تلوار لہراتے ہوئے، مشرکوں کو ٹھکانا لگاتے ہوئے دیکھا اور کہا: ان کی تلوار سے تو کوئی بھی بچ نہیں رہا۔ حضرت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حمزہ سباع بن عبدالعزیٰ کو ٹھکانے لگا کر میدان جنگ میں آگے پیچھے حرکت کر رہے تھے کہ یکا یک پھسل کر پیٹھ کے بل گرے اور زرہ ان کے پیٹ سے ہٹ گئی۔ (دوسری روایت: اپنی گری ہوئی زرہ اٹھانے کے لیے جھکے تھے)۔ وحشی نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا، ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہ کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے نیزہ تاک کر ان کے پیڑو (pelvic floor) میں دے مارا۔ وہ وحشی کی طرف لپکے، لیکن ہمت نہ ہوئی اور اٹھ نہ سکے۔ وحشی نے ان کی جان نکلنے کا انتظار کیا، پھر اپنا برچھا نکالا اور لشکر میں گم ہو گیا۔ یہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تعبیر تھی جو آپ نے جنگ سے پہلے دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار ذوالفقار کی دھار میں دندانہ پڑ گیا ہے۔ وحشی کے آقا جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جبیر نے حضرت حمزہ کو شہید کرنے کے بدلے اسے آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

جنگ احد میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں نے مسلمان شہدا کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ انھوں نے شہید صحابہ کے کان ناک کاٹ ڈالے۔ اس نے ان کٹے ناک کانوں کی مالائیں اور پازیبیں بنائیں اور اپنی باندیوں اور خادماؤں میں بانٹ دیں۔ اس نے سیدنا حمزہ کے قاتل وحشی کو کٹے اعضا کے ہار اور بالیاں پیش کیں۔ ہند نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبانے کی کوشش کی، لیکن نگل نہ پائی اور تھوک دیا۔ پھر وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئی اور بلند آواز میں یہ اشعار پڑھنے لگی:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نحن جزيناكم بيوم بدر   والحرب بعد الحرب ذات سعر

''ہم نے تم سے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا، پہلی جنگ کے بعد کی جانے والی دوسری جنگ زیادہ بھڑکنے والی ہوتی ہے۔''

ما كان عن عتبة لي من صبر   ولا أخي و عمه و بكري

''مجھے اپنے باپ عتبہ کی طرف سے قرار تھا نہ اپنے بھائی ولید، اس کے چچا شیبہ اور اپنے پلوٹھے حنظلہ بن ابوسفیان کی طرف سے صبر تھا۔''

شفيت نفسي و قضيت نذري   شفيت وحشي غليل صدري

''میں نے اپنے جی کو ٹھنڈا کیا اور اپنی نذر پوری کر لی۔ او وحشی، تو نے میرے سینے کی آگ بجھا دی۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو فرمایا: اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے کہ حمزہ کا گوشت چکھ بھی سکے۔ اگر کلیجہ ہند کے پیٹ میں چلا جاتا تو اس پر بھی آگ حرام ہو جاتی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ کے اعضا

سے دو کنگن، دو باز و بند اور دو پازیبیں بنائیں، انھیں اور آپ کے کلیجے کو مکہ لے گئی۔ ابوسفیان حضرت حمزہ کے لاشے کے پاس سے گزرا تو ان کے چہرے پر نیزے کی انی چبھوئی اور کہا: او نافرمان، اپنے عمل کا مزہ چکھ لے۔ حلیس بن زبان نے دیکھ لیا اور کہا: اے بنو کنانہ، دیکھو، قریش کا سردار اپنے چچا زاد سے کیا سلوک کر رہا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: کسی کو مت بتانا، مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ میں نے مثلہ کرنے کا حکم دیا نہ روکا، پسند کیا نہ برا سمجھا، مثلہ کرنا مجھے برا لگا ہے، اچھا نہیں لگا (مسند احمد، رقم ۴۴۱۴)۔ احد کے شہدا کی اکثریت کی لاشیں قطع و برید سے سلامت نہ رہی تھیں۔ ایک حضرت حنظلہ بن ابوعامر کی نعش کا مثلہ نہ کیا گیا تھا، کیونکہ ان کا باپ مشرکوں کی صف میں شامل تھا، اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت ۷ (یا ۱۵) شوال ۳ھ کو ہوئی، ان کی عمر انسٹھ برس ہوئی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کی میت ڈھونڈنے نکلے اور فرمایا: میں نے ان درختوں کے پاس انھیں 'میں اللہ کا شیر ہوں اور اللہ کے رسول کا شیر ہوں' کے نعرے لگاتے دیکھا تھا۔ آپ نے وادی احد کے بیچ ان کی ادھڑی ہوئی لاش اس حال میں دیکھی کہ کلیجہ نکلا ہوا، ناک کان کٹے ہوئے تھے تو بہت دل گیر ہوئے اور روتے ہوئے فرمایا: اگر مجھے اپنی پھوپھی اور حمزہ کی سگی بہن صفیہ بن عبدالمطلب کے غم کا خیال نہ ہوتا اور یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میرے بعد اسے سنت سمجھ لیا جائے گا، میں ان کی میت کو یہیں چھوڑ دیتا۔ درندے اور شکاری پرندے اسے اپنی خوراک بنا لیتے اور وہ ان کے پیٹوں سے اٹھائے جاتے (ابوداؤد، رقم ۳۱۳۶۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۳۵۱)۔ اگر اللہ مجھے کسی جنگ میں قریش پر غلبہ دیتا تو میں ان کے تیس (دوسری روایت: ستر) مردوں کا مثلہ کرتا۔ حمزہ، آپ کی شہادت سے بڑھ کر مجھ پر کوئی مصیبت آئے گی اور نہ آج سے زیادہ غیظ و غضب دلانے والا موقع ملے گا۔ آپ کے غم کو دیکھتے ہوئے (احد کے میدان میں، اسی وقت: بیہقی، فتح مکہ کے موقع پر: ترمذی، رقم ۳۱۲۹) اللہ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں: 'وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ. وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ' ''اگر تم نے بدلہ لیا تو اتنا ہی لینا جتنی زیادتی تمھارے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کر لو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور تمھیں صبر حاصل نہیں ہو سکتا، مگر اللہ ہی کے تعلق سے۔ اور تم ان چالوں سے دل تنگ نہ کرو جو کافر چل رہے ہیں'' (النحل ۱۶: ۱۲۶-۱۲۷)۔ حضرت جبریل آئے اور فرمایا: سات آسمانوں میں 'حمزة أسد الله و أسد رسوله' لکھ دیا گیا ہے (مستدرک حاکم، رقم ۴۸۸۱)۔ آپ نے حضرت حمزہ کو سید الشہدا کا لقب عطا کیا اور دعا فرمائی: چچا، اللہ آپ پر رحم کرے، آپ حد سے زیادہ صلہ رحمی

کرنے والے اور سبقت کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت زبیر بن عوام سے فرمایا: انھیں واپس لے جاؤ، یہ اپنے بھائی حمزہ کی میت سے کیا جانے والا سلوک نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت صفیہ نے کہا: مجھے معلوم ہے، میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے۔ میں دیکھ کر صبر کروں گی اور برداشت سے کام لوں گی۔ تب آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا، دعا فرمائی اور میت کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ وہ روئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور لوٹ گئیں۔ شہداے احد کی تدفین کا مرحلہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان شہدا کا شاہد ہوں۔ انھیں خون میں لتھڑے ہوئے ہی دفن کر دو۔ اللہ کی راہ میں گھائل ہونے والا کوئی زخمی ایسا نہ ہوگا جو روز قیامت بہتے ہوئے خون کے ساتھ نہ اٹھایا جائے۔ رنگ تو خون کا ہوگا، لیکن خوشبو مشک کی آئے گی۔ سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوؤں کو آگے رکھو۔ آپ نے دو دو پاک نفسوں کو غسل دیے بغیر ایک قبر میں اتارا۔ سب سے پہلے آپ نے سات تکبیریں کہہ کر حضرت حمزہ کا جنازہ پڑھا، پھر باقی شہدا کی نماز جنازہ ادا کرنا شروع کی۔ ہر بار آپ حضرت حمزہ کی میت ساتھ رکھتے اور نماز جنازہ ادا فرماتے (مستدرک حاکم، رقم ۲۵۵۷)۔ اس طرح حضرت حمزہ کا جنازہ ستر بار پڑھا گیا۔ دوسری روایت ہے کہ آپ نو صحابہ کی میتیں اکٹھی رکھتے، دسویں حضرت حمزہ ہوتے تو ان سب کی ایک نماز جنازہ ادا کرتے۔ حضرت انس بن مالک کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداے احد کا جنازہ نہیں پڑھا (ابوداؤد، رقم ۳۱۳۵۔ ترمذی، رقم ۱۰۳۶۔ مسند احمد، رقم ۱۲۲۴۰۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۳۵۲)۔ ایک روایت کے مطابق صرف حضرت حمزہ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، دوسرے شہدا کا جنازہ نہ پڑھا گیا (ابوداؤد، رقم ۳۱۳۷)۔ شوافع اسی مسلک کے قائل ہیں کہ شہید کا غسل ہوتا ہے نہ جنازہ۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ان روایات کو جن میں شہداے احد کا جنازہ ادا کرنے کا ذکر ہے، ترجیح دی جائے گی، چاہے ضعیف ہوں، اس لیے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ سیدالشہدا حضرت حمزہ اور ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش ایک قبر میں دفن کیے گئے۔ ان کی میت کا بھی حضرت حمزہ کی طرح مثلہ کیا گیا تھا، تاہم ان کا جگر محفوظ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت زبیر قبر میں اترے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنارے پر بیٹھ گئے۔ ایک چادر کو حضرت حمزہ کا کفن بنایا گیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں پر ڈالتے تو سر کھل جاتا (ترمذی، رقم ۹۹۷، ۱۰۱۶۔ مسند احمد، رقم ۲۱۰۷۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا چہرہ ڈھانک دو اور پاؤں پر حرمل (یا اذخر) گھاس ڈال دو (مستدرک حاکم، رقم ۲۵۵۸)۔ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں (مستدرک حاکم، رقم ۴۸۸۵)۔ حاضرین صحابہ اس بات پر رو دیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے چچا کے کفن کے لیے ایک کپڑا نہ مل سکا۔اسی اثنا میں حضرت صفیہ اپنے بھائی کی تکفین کے لیے دو چادریں لے آئیں، ان میں سے ایک حضرت حمزہ کو اور دوسری ایک انصاری کو دے دی گئی جن کی تکفین کے لیے کوئی کپڑا نہ تھا (مسند احمد، رقم ۱۴۱۸)۔ کچھ اصحاب اپنے پیاروں کی میتیں مدینہ لے گئے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس لانے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا: شہدا کو ان کے مقام شہادت پر لے آؤ۔

مدینہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے قبائل بنوعبد الاشہل اور ظفر کے گھروں کے سامنے سے گزرے تو آہ و بکا اور بین کی آوازیں سنیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور فرمایا: حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں (مسند احمد، رقم ۵۶۶۶)۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر بنوعبدالاشہل کے گھر گئے اور عورتوں سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جا کر آپ کے چچا کے لیے بھی روؤ اور ان کا افسوس کرو۔ حضرت کعب بن مالک نے کہا:

صفية قومي ولا تعجزي و بكى النساء على حمزة

''اے صفیہ، اٹھ جائیں، کمزوری نہ دکھائیں اور عورتوں کو حمزہ پر رلا دیں۔''

رات کے وقت آپ نیند سے بیدار ہوئے تو (حضرت حمزہ کے لیے) عورتوں کے رونے دھونے کی آواز سنی۔ آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، تم رات بھر روتی رہی ہو، میں یہ نہ چاہتا تھا۔ تم نے اپنی طرف سے ہمدردی اور افسوس ظاہر کر دیا ہے۔ جاؤ اور آیندہ کسی جانے والے پر مت رونا (ابن ماجہ، رقم ۱۵۹۱۔ مسند احمد، رقم ۵۵۶۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۸۸۳)۔ اگلے روز آپ منبر پر بیٹھے اور نوحہ خوانی سے سختی سے منع کر دیا۔ اس کے باوجود انصار میں مدت تک یہ طریقہ رہا کہ اپنی میت پر رونے سے حضرت حمزہ کا گریہ کرتے (مسند احمد، رقم ۴۹۸۴)۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنگ احد میں تمھارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں میں منتقل کر دیا۔ وہ جنت کی نہروں پر جا کر پھل میوے کھاتے ہیں اور عرش الٰہی کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں رہتے ہیں۔ انھوں نے کھانے، پینے اور قیام کی لذتیں پائیں تو کہا: کون ہمارے بھائیوں کو بتائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھا پی رہے ہیں تاکہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں اور جنگ میں بزدلی نہ دکھائیں۔ اللہ نے فرمایا: میں خود بتاؤں گا۔ چنانچہ یہ ارشاد نازل ہوا: 'وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ' (آل عمران ۳:۱۶۹)، اور تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، مردہ ہرگز نہ سمجھنا۔ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، کھا پی رہے ہیں (ابوداؤد، رقم ۲۵۲۰۔ مستدرک حاکم، رقم ۳۴۵۷)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال وادی احد جاتے اور گھاٹی کے کنارے پر کھڑے ہو کر دعا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فرماتے: اے شہدا، تمھارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلام۔ خوب ہو تمھارا آخرت کا گھر۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان نے بھی اسی سنت پر برابر عمل کیا۔ سیدہ فاطمہ ہر جمعہ کے دن حضرت حمزہ کی قبر پر جا کر جھاڑ پونچھ کرتیں اور ان کے لیے دعا کرتیں (مستدرک حاکم، رقم ۱۳۹۶)۔

حضرت حمزہ کی ازواج اور ان کی اولاد: ملّہ بن مالک انصار اوس (یا بنوسلیم) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی بیٹی جن کا نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکا، حضرت حمزہ کے نکاح میں آئیں اور حضرت یعلیٰ، حضرت بکر اور حضرت عامر پیدا ہوئے۔ بنوثعلبہ (بنونجار: بلاذری) کی حضرت خولہ بنت قیس انصاریہ سے حضرت عمارہ بن حمزہ کی ولادت ہوئی، انھی سے حضرت حمزہ کنیت کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت عمیس کی بہن حضرت سلمیٰ بنت عمیس خثعمیہ کی حضرت حمزہ سے شادی مکہ میں ہو چکی تھی۔ ان سے حضرت امامہ بنت حمزہ کی پیدایش ہوئی۔ یہ وہی امامہ ہیں کہ حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ان کی تولیت کے لیے حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ میں نزاع ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس کے سپرد فرما دیا جو حضرت جعفر بن ابوطالب کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت یعلیٰ بن حمزہ کی اولاد عمارہ، فضل، زبیر، عقیل اور محمد ہوئے، تمام فوت ہو گئے اور ان کی نسل آگے نہ چل سکی۔

مرثد بن ابومرثد غنوی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔

حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنے چچا حمزہ کی بیٹی سے شادی کیوں نہیں کر لیتے، وہ خوب رو ہے۔ آپ نے فرمایا: تمھیں معلوم نہیں، حمزہ میرے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ نسب کی بنا پر محرم قرار پانے والے سارے رشتے دودھ پلائی کی وجہ سے بھی حرام ٹھیرتے ہیں۔ مسلم کی روایت ۳۵۷۵ کے مطابق یہی سوال ام المومنین ام سلمہ نے بھی کیا۔

قبر کشائی: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں، حضرت معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں احد میں نہر نکالنے کا فیصلہ کیا۔ انھیں بتایا گیا کہ اسے شہدا کی قبروں کے اوپر ہی جاری کیا جا سکتا ہے تو انھوں نے قبریں کھودنے کی اجازت دے دی۔ صحابہ کی میتیں دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے نکالی گئیں تو دیکھنے والے لوگوں کو ایسے لگا جیسے وہ سو رہے ہیں۔ حضرت حمزہ کے پاؤں کو کدال لگی تو اس میں سے خون بہ نکلا۔

حضرت حمزہ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت قیس بن قہد بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ سے ملنے آئے۔ دنیا کی باتیں کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: دنیا شاداب اور شیریں ہے۔ جس نے اسے حق کے ساتھ حاصل کیا، اسے برکت دی جاتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے مال میں ہاتھ مارنے والے بہت سے ایسے ہوں گے جنھیں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روز قیامت جب وہ اللہ کا سامنا کریں گے، دوزخ نصیب ہو گی (مسند احمد، رقم ۲۷۰۵۴)۔ حضرت حمزہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تلقین فرمائی کہ اس دعا کو لازم کرلو: 'اللّٰھم إني أسئلك باسمك الأعظم و رضوانك الأكبر'، اے اللہ، میں تیرے بڑے نام اور تیری رضوان عظیم کے واسطے سے سوال کرتا ہوں (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۹۵۹)۔ ایک دفعہ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے اکٹھے غسل کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کیسے غسل کیا؟ انھوں نے بتایا: ہم نے کپڑا ڈال کر ایک دوسرے کا ستر کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو میں تم دونوں کے ستر کا خیال کرتا (مستدرک حاکم، رقم ۴۸۷۹)۔ ایک آدمی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نام رکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: حمزہ نام رکھو جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے (مستدرک حاکم، رقم ۴۸۸۸)۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے ہر نبی کو سات معزز رفقا دیے گئے تھے، جب کہ مجھے چودہ رفقا (یا نقبا، سات قریش سے اور سات باقی مہاجرین میں سے) کی معیت حاصل ہے۔ حضرت علی سے پوچھا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: میں (علی)، میرے دونوں بیٹے (حسن و حسین)، جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، مقداد، ابوذر، عمار، اور عبداللہ بن مسعود'' (ترمذی، رقم ۳۷۸۵)۔ مسند احمد کی روایت ۱۲۶۳ میں مصعب کے بجائے حذیفہ کا ذکر ہے۔ حضرت حمزہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، مجھے کوئی ذمہ داری دے دیں جس پر میں اپنی زندگی گزار لوں۔ آپ نے فرمایا: حمزہ، آپ اپنے نفس کو زندہ رکھ کر خوش ہوں گے یا اسے مارنا آپ کو محبوب ہو گا؟ جیتا نفس ہی ہونا چاہیے، جواب ملا۔ فرمایا: اپنی ہستی سے چپکے رہو (مسند احمد، رقم ۶۶۳۹)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت حمزہ مدینہ آئے تو بنو نجار کی حضرت خولہ بنت قیس سے شادی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چچی حضرت خولہ کے گھر جاتے تو وہ آپ سے سوالات کرتیں۔ ایک دن آپ ان کے ہاں گئے تو حضرت حمزہ گھر میں نہ تھے۔ حضرت خولہ نے کہا: وہ بنو نجار کی کسی تنگ گلی میں آپ ہی کی طرف جا رہے ہوں گے۔ انھوں نے آپ کو کھجور، ستو اور گھی سے بنا ہوا حلوہ پیش کیا اور کہا: میں نے سنا ہے کہ روز قیامت آپ کو اس طرح کا ایسا حوض ملے گا۔ آپ نے فرمایا: ہاں، حوض کوثر کا دامن یاقوت، مونگوں، زمرد اور موتیوں سے لبریز ہو گا۔ اس کی پیمایش ایلہ سے مکہ اور مکہ سے صنعا تک ہو گی۔ مجھے بہت خواہش ہے کہ آپ کی قوم اس سے سیراب ہو (مسند احمد، رقم ۲۷۳۱۶)۔

داستان امیر حمزہ: ایران کے صوبہ سیستان کے باغی لیڈر حمزہ بن عبداللہ (۱۹۷ھ، ۸۱۲ء) کی زندگی پر لکھی گئی نایاب کتاب 'قصہ مغازی حمزہ' کو سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب کی زندگی سے خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ 'حمزہ نامہ'، 'داستان

امیر حمزہ' 'Adventures of Amir Hamza' میں بہادروں اور شیطانوں سے وہ لڑائیاں ملتی ہیں اور ان رومانوی قصوں کا تذکرہ ہے جو ایک صحابی رسول کے لائق نہیں۔ اس داستان کا ہیرو ایران، ہندوستان اور برما کے ان علاقوں کا سفر کرتا ہے جو حضرت حمزہ نے دیکھے بھی نہ تھے۔ یہ مغل بادشاہ اکبر کی بدعات میں سے ایک ہے۔ اس نے قصے کہانیاں سننے کے لیے اس fiction کو خوب فروغ دیا۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، دلائل النبوۃ (بیہقی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلا (ذہبی)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر)، محمد رسول اللہ (محمد رضا)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مضمون نگار: G M Meredith Owens)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مقالات

ساجد حمید

نظمِ قرآن کیا خارج سے ماخوذ ہے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مدرسۂ فراہی کے تصورِ نظم قرآن سے متعلق یہ سوال بہت اٹھایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کے کلام میں موجود ہے یا خارج سے کلام الٰہی میں ڈالا جا رہا ہے؟ ذیل کی سطور میں اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سوال کا مختصراً جواب تو یہ ہے کہ مدرسۂ فراہی کا تصورِ نظم قرآن خارجی نہیں، بلکہ یہ قرآن کے کلام ہی سے ماخوذ ہے۔ اب اس کو تفصیل سے سمجھتے ہیں۔

مقدر مقدمات

مولانا فراہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرآن فہمی میں رکاوٹ مقدر مقدمات کو نہ سمجھنے میں ہے[1]۔ یہی بات دراصل نظم قرآن کے تصور کا خلاصہ ہے۔ پہلے مولانا کے اس جملے کو سمجھتے ہیں۔ مقدر سے مراد وہ بات ہے جو کلام کے پس منظر میں موجود ہوتی ہے، مگر لفظوں میں بیان نہیں ہوتی۔ مقدمہ اس بات کو کہتے ہیں جس کی بنیاد پر باتیں کی جاتی ہیں۔ جیسے باپ کا بیٹے کو یہ کہنا کہ سچ بولو، یہ اس مقدمے پر قائم ہے کہ ''سچ بولنا اچھائی ہے''۔ یہ مقدمہ اگر موجود نہ ہو تو باپ کے اس حکم میں کوئی جان نہیں ہے۔ ''سچ بولو'' کے اس جملے میں ''سچ اچھا ہے'' ایک مقدر مقدمہ ہے۔ ہماری تمام باتیں مقدر مقدمات پر قائم رہتے ہوئے ہی کہی اور سمجھی جاتی ہیں۔ انھیں عموماً بولا نہیں جاتا۔

جب بھی ہم کوئی بات کہتے ہیں تو وہ معاشرے، عقل، تجربے، تصورات، تہذیب اور دین وغیرہ میں موجود کچھ

---

[1] حجج القرآن ۲۷۔ واضح رہے کہ نظم کے داخلی ذرائع میں اور بھی پہلو ہیں، مگر یہاں صرف مقدرات پر بات کرنا پیش نظر ہے، اس لیے کہ یہ بنیادی چیز ہے۔

مقدمات (باتوں) پر قائم ہوتی ہے۔ مثلاً جب برصغیر پاک و ہند میں ایک بیوی اپنے شوہر کو یہ آواز دیتی ہے کہ 'راستہ بدل لو، کالی بلی راستہ کاٹ گئی ہے' تو ''راستہ بدل لو' جملے کا'' کالی بلی راستہ کاٹ گئی ہے'' سے کوئی تعلق اس وقت تک واضح نہیں ہوتا، جب تک کہ ہم یہ مقدر نہ کھولیں کہ 'کالی بلی کا راستہ کاٹنا منحوس سمجھا جاتا ہے'۔ تو گویا دونوں جملوں کا ربط اس توہّم پر مبنی ایک مقدر تصور کے جاننے پر منحصر ہے۔ اسی طرح غالب نے جب یہ کہا کہ:

ابن مریم ہوا کرے کوئی

میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

تو اس شعر کے دونوں مصرعوں کا باہمی تعلق ایک مقدر مقدمے پر قائم ہے، وہ مقدر مقدمہ سیدنا عیسیٰ کی مسیحائی ہے۔ اگر کوئی شخص اس مقدر سے واقف نہیں ہوگا تو شعر کا نہ مضمون سمجھ سکے گا اور نہ اس سے حظ اٹھا سکے گا، کیونکہ دونوں مصرعوں کا ربط ہی اُس پر نہیں کھلے گا۔

فراہی مکتبِ فکر انھی مقدرات کے کھولنے کو نظم کلام کہتا ہے۔ یہ مقدرات اگرچہ لفظوں میں موجود نہیں ہوتے، مگر کلام ان پر استوار ہوتا ہے۔ روزمرہ کی گفتگو ہو، یا علمی و تحقیقی مقالات ہوں، انھی مقدرات پر اپنے معنی پاتے، اور باتوں کو مربوط کرتے ہیں۔ ان مقدرات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ آفاقی مقدمات، جو تمام انسانوں کے تصورات میں موجود ہیں۔ مثلاً (ذہنی) سچ بولنا اچھائی ہے، (حسی) آسمان نیلا ہے۔ جیسے ''گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا''، میں گنبد نیلوفری سے مراد آسمان ہے۔

۲۔ علاقائی مقدمات، جو ایک علاقے میں تو موجود ہوں، مگر باقی دنیا ان سے ناواقف ہو۔ مثلاً اردو شعر کی روایت میں ستم زدہ عاشق کے رونے سے سیلاب آ سکتے ہیں جس سے گھر اور بستیاں ویران ہو سکتی ہیں، جیسے:

گر یونہی روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے

بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

یہ علاقائی مقدرات پھر دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ اس علاقے کے آفاقی، جیسے ہندوستان میں ذات پات میں برہمن کا تقدس اور شودر کا تذلل۔ یا مثلاً برہمن کا غیب گو ہونا، غالب نے اس سے مضمون باندھا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض!
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

۲۔ متکلم کے خودساختہ مقدمات جسے وہ مقدار کی حیثیت سے استعمال کرے۔ جیسے علامہ اقبال کا تصورِ خودی، لیکن مقدر کے طور پر استعمال کے لیے شاعر کو اسے متعارف کرانا پڑتا ہے۔ اقبال نے اپنے اس تصور کا اپنی شاعری میں خوب تعارف کرایا ہے، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ تصور نیا ہے، لوگ اسے سمجھ نہیں سکیں گے، لہٰذا وہ مختلف پیرایوں سے اسے بیان کرتے ہیں، ہمارے عہد کے بعض شعرا نے علامتی شاعری کی ہے، لیکن وہ اپنی علامتوں کو متعارف نہ کرا سکے، اس لیے علامتی شاعری ان کے حلقوں سے باہر نہ نکل سکی۔

اب اصول یہ سمجھیے کہ مقدرات دراصل وہ تصورات ہیں جو کلام میں کہی گئی باتوں میں مقدمات کا کردار ادا کرتے ہیں، جن پر معنی کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہ مقدرات جس قدر معروف ہوں گے اسی قدر کلام واضح دوٹوک اور دلالت میں صریح ہوگا۔ لیکن بعض اوقات یہ مقدرات غیر اہل زبان کے ہاں مختلف ہونے کی وجہ سے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ مثلاً اردو میں 'برسات کا دن' مضمون لکھنے کو دیا جائے تو یہ دل پسند اور خوب صورت وقت کا بیان ہوگا، لیکن انگریزی کا rainy-day مصیبت کے لیے معروف ہے۔ اب جس کو اس کا پتا نہیں ہوگا، اس کے لیے اس جملے saving money for a rainy day کا مطلب ہوگا کہ پیسہ جمع کرکے برسات کے دنوں میں عیش کریں گے، حالاں کہ انگریز یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں ایمرجنسی کے لیے روپے جمع کر رہا ہوں۔ لہٰذا غیر زبان کے بعض مقدرات نا معلوم ہونے کی وجہ سے کلام غیر مفہوم رہ سکتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو مولانا فراہی نے لکھی ہے کہ کلام کے مقدر مقدمات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے قرآن فہمی میں رکاوٹ رہی ہے۔

مقدر کلام کے دروبست سے بھی پیدا ہو جاتا ہے[۲]۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے اہل زبان کے ہاں معروف نہ ہو، لیکن جب وہ معروف سے پھوٹا ہوگا تو فوراً سمجھ میں آئے گا، اور اگر معروف سے نہیں پھوٹا ہوگا تو مختلف فیہ ہو جائے گا، لہٰذا کلام مبہم یا زیادہ غور کا محتاج ہو جائے گا۔ اسی عمل سے لسانی ارتقا ہوتا ہے اور الفاظ اپنے دامنِ معنی کو وسیع کرتے جاتے، اور بعض معانی کو اپنے دامن سے نکال پھینکتے رہتے ہیں۔ کلام کے دروبست سے پیدا ہونے والے مقدر کو ذیل کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں:

میں کلاس میں داخل ہوا، طالب علم شور مچا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سب احتراماً خاموش ہو کر اپنی نشستوں پر

۲۔ آگے قرآن سے دی گئی مثالوں میں 'وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا'، والی آیات اسی نوع کی مثال ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بیٹھ گئے۔ پھر میں پڑھانے لگا۔

اس کلام میں واحد متکلم کو آخری جملے نے استاد کی حیثیت دے دی ہے۔ یہ مقدر کلام کے دروبست نے پیدا کیا ہے۔اب اگر میں اس کی شرح میں لکھ دوں کہ استاد نے ایسا کہا تو غلط نہ ہوگا۔اگر ایسا نہ کیا جائے تو اوپر خط کشیدہ میں اور''احتراماً'' اور''پڑھانے'' کا ربط واضح نہیں ہوگا۔

مختصر یوں کہیے کہ ہمارے ذہنوں میں کچھ مانے اور جانے بوجھے تصورات ہوتے ہیں، جن کو ذہن میں رکھ کر ہم بات کرتے ہیں، لیکن ان کو لفظوں میں نہیں بتاتے۔ایسی باتوں کو مقدرات کہتے ہیں، کلام کے معنی کا بڑا انحصار انھی کے علم و دریافت پر کھڑا ہوتا ہے۔عرب اپنے مزاج میں عجمیوں سے زیادہ مقدر مقدمات پر انحصار کرتے ہیں۔ان کے کلام کا یہ وصف 'خیر الکلام أقل و أدل'، ان کے کلام کو دنیا سے ممتاز کرتا ہے۔قرآن بھی انھی کے اسلوب میں اترا ہے۔ایسے کلام میں مقدرات کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔لہٰذا ایسا کلام اعلیٰ تر ذکاوت اور ژرف نگاہی کا تقاضا کرتا ہے۔عجمیوں کا یہ مزاج نہیں تھا، اس لیے انھیں قرآن غیر مربوط دکھائی دیتا رہا، کیونکہ دو جملوں کو جوڑنے والے مقدرات ان پر منکشف نہیں ہوئے تو وہ کلام کے ربط کو نہ پا سکے۔

انھی مقدرات کے تحت تعلیل، تقابل، اصل، فرع، اعتراض اور استدراک وغیرہ کے تعلق کلام میں پیدا ہوتے اور معنی آفرینی کرتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معنوی بندھن اور مقدرات

محذوف مقدرات کے بعد دوسری اہم چیز کلام کے معنی کے بندھن میں ان مقدرات کا کردار ہے۔ درج ذیل مثال پر غور فرمائیں:

- ماں نے بیٹے سے کہا: بہت گرمی لگ رہی ہے۔

بیٹے کی طرف سے چند ممکنہ جوابات یہ ہو سکتے ہیں:

- امی، اے سی چلا لیں۔
- سورج نے تو جلانے کی قسم کھا رکھی ہے۔
- ہاں گرمی تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہی۔

یہ جوابات ماں کی بات سے واضح طور پر مربوط ہیں۔ کسی کو ان کے ربط سے انکار نہیں ہوگا۔لیکن ماں کی اسی بات

کہ بہت گرمی لگ رہی ہے کے جواب میں ذرا بیٹے کے ان جملوں پر توجہ دیجیے:

o امی، ابھی آیا۔

o امی، ذرا انتظار کریں، نہا رہا ہوں۔

o اماں، فرج خراب ہے۔

یہ جوابات بظاہر غیر متعلق ہیں، لیکن ایک مقدر مفہوم پر منحصر ہیں، اس لیے بظاہر غیر متعلق ہوتے ہوئے بھی عین متعلق ہیں۔ ماں نے جب کہا کہ گرمی لگ رہی ہے تو بیٹے نے یہ سمجھا کہ والدہ کہہ رہی ہیں کہ آ کر میرا پنکھا چلا دو، یا مجھے ٹھنڈا پانی دو۔ تینوں جملے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر جواب میں کہنے ممکن ہیں۔ اگر والدہ کے اس جملہ کہ گرمی لگ رہی ہے، میں یہ مقدر نہ مانا جائے کہ والدہ پنکھا چلانے یا ٹھنڈا پانی مانگ رہی ہیں تو یہ تینوں جواب غلط ہیں۔ بیٹے نے اس سادہ جملے میں مقدر معنی کو محسوس کیا ہے، اس لیے اس کے احساس کے مطابق اس نے نہایت متعلق باتیں کہی ہیں۔ لیکن جو اس جملے کا یہ مقدر نہ سمجھے، وہ بیٹے کو بے وقوف سمجھے گا کہ کس طرح کے غیر متعلق جواب دیے جا رہا ہے۔ لہٰذا مقدر مفاہیم دو باتوں کے درمیان بندھن کا کام کرتے ہیں، جو بظاہر مختلف یا غیر متعلق ہوتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ بندھن کئی پہلوؤں سے ہو سکتا ہے۔ ہم یہاں چار عمومی طور پر ممکن مقدرات کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مفہوم، جملہ جس بات کو کہنے کے لیے بولا گیا ہے۔ مثلاً ماں نے بیٹے سے کہا: بہت گرمی لگ رہی ہے، کا جملہ موسم کی حالت کا پتا دے رہا ہے۔ (اس میں مقدر یہ ہے کہ والدہ صرف موسم پر تبصرہ کر رہی ہیں)۔

۲۔ مدعا: جملہ جس بات کو سامع تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مثلاً اس جملے میں ماں بیٹے کو کہنا چاہتی ہے کہ گرمی ہے پنکھا چلا دیا جائے، یا ٹھنڈا پانی پینے کو دیا جائے وغیرہ۔ (اس میں مقدر یہ ہے کہ والدہ گرمی کا کہہ کر کچھ مطالبہ کر رہی ہیں)۔

۳۔ نتائج: کہی گئی بات کے کچھ نتیجے نکلیں گے۔ مثلاً یہ کہ موسم خوشگوار نہیں ہے، باہر جانا آسان نہیں ہے، ماں تکلیف میں ہے، وغیرہ۔ (اس میں مقدر یہ ہے کہ والدہ موسم کا کہہ کر کسی کام سے روکنا چاہتی ہیں، یا کچھ نتائج کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہیں)۔

۴۔ تقاضا: اس جملے کے کچھ تقاضے پیدا ہوں گے۔ مثلاً پنکھا فوراً چلنا چاہیے، ماں کی تکلیف زائل ہونی چاہیے، وغیرہ۔ (اس میں مقدر یہ ہے کہ مدعا پر عمل کیا جائے، نتائج کا خیال رکھا جائے، دی گئی اطلاع کو پیش نظر رکھا جائے)۔ [یہ اوپر کے تینوں مقدرات کا خیال رکھنا ہے]۔

یہ سارے معنی اس جملے کا ممکنہ حصہ ہیں جو ماں نے بیٹے سے کہا۔ اگرچہ بولے نہیں گئے۔ اب اگلے جملے ان میں

سے کسی کی رعایت کرتے ہوئے بولے جائیں تو وہ ایک ربط رکھتے ہوں گے خواہ وہ بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتے ہوں۔

مثلاً بیٹا ماں کو کہے: اچھا میں پنکھا چلاتا ہوں، یا وہ کہے کہ ماں، بجلی نہیں آ رہی ہے، یا وہ کہے: ماں، میں نے کہا تھا نا کہ اس وقت باہر نہ جاؤ، واضح طور پر مربوط ہوں گے۔ پہلا اور دوسرا جواب تقاضے کے پہلو سے ہے، تیسرا نتائج کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اگر بیٹا ماں سے کہے کہ میں نہا رہا ہوں، تو یہ جملہ قدرے غیر متعلق لگ رہا ہے۔ لیکن وہ بھی مربوط ہے، تقاضے کے لحاظ سے وہ کہنا چاہتا ہے کہ میں نہا رہا ہوں آپ کا پنکھا فوراً نہیں چلا سکتا۔ آپ کو کچھ انتظار کرنا ہوگا، یا خود اٹھ کر چلا لیں۔

اب غالب کے درج ذیل شعر پر اس زاویۂ نگاہ سے غور کیجیے کہ اس نے کس طرح مقدر مقدمات سے دو مصرعوں کو مربوط بنایا ہے:

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

ان دونوں مصرعوں کا دور دور تک کوئی باہمی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اس میں ایک شاعرانہ اور دو مادی تجربے پر مبنی مقدمات مقدر ہیں۔ شاعرانہ مقدمہ یہ ہے کہ رونے سے اتنا پانی جمع ہو جاتا ہے کہ گھر غرقاب ہو جاتا ہے۔ پہلے مصرعے میں یہی مقدر مقدمہ موجود ہے۔ اگر میں نہ روتا، یعنی گھر غرقاب نہ بھی ہوتا تو تب بھی ویران ہوتا۔ دوسرے مصرعے میں دو مادی تجربے پر مبنی مقدرات کو بطور دلیل بنایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر سمندر سے پانی نکال دیا جائے تو باقی بیاباں ہی بچے گا۔ دوسرا یہ کہ بیاباں ویران ہوتا ہے۔ اب دونوں مصرعے نہایت مربوط ہیں، یعنی شاعر اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ تم مجھے کہہ رہے ہو کہ تمھارے رونے سے تمھارا گھر پانی میں غرقاب ہو کر ویران ہو گیا ہے، اگر تم نہ روتے تو گھر ویران نہ ہوتا، تو تمھاری بات درست نہیں، اس لیے کہ میرے نہ رونے سے گھر غرقاب نہ ہوتا تو تب بھی گھر ویران ہی ہوتا، اس لیے کہ یہاں اگر پانی نہ ہوتا تو ویران بیاباں ہوتا، کیونکہ بحر سے پانی نکال دیا جائے تو اس کے بعد بیاباں ہی نمودار ہوگا، آباد گھر تو برآمد نہیں ہوگا۔

لفظی مقدرات

باتوں اور جملوں کی طرح لفظ بھی مقدرات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ جن چیزوں کے نام یا علامت ہیں، ان کے اوصاف و خصائص کو یہ مقدرات کے طور پر اپنے جلو میں لیے کلام میں چلتے ہیں۔ مثلاً پانی کا لفظ، سیال ہونے،

مشروب ہونے، آگ اور پیاس بجھانے والا ہونے، جیسے متعدد مقدرات اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اردو محاورے 'آگ پانی کا کھیل' اور 'پانی میں آگ لگانا' میں پانی اور آگ کے وہ اوصاف مقدر کا کام کر رہے ہیں جو دونوں کو مادی دنیا میں یکجا نہیں ہونے دیتے۔

بسم اللہ میں صفاتِ رحمٰن ورحیم پر اسی زاویے سے غور کریں۔ برکت وسازگاری رحمت کا ایک مقدر مفہوم ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کا پڑھنا طلب برکات وسازگاری کے لیے ہے۔ قرآن مجید کی سورتوں میں سرنامے کے طور پر اس کا استعمال رحمت اور ہدایت کے اس تعلق سے ہے جو سورۂ رحمٰن میں بتایا گیا ہے کہ 'اَلرَّحْمٰنُ، عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ'۔ یہی چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو 'رحمةً للعالمین' کہنے میں پیش نظر ہے۔ یعنی براہِ مہربانی وخیر خواہی صحیح بات کی طرف ہدایت رحمت کا ایک مقدر حصہ ہے۔ یہاں دیکھیے کہ کس طرح رحمت اپنے مقدر مفہومات سے معنی آفرینی اور ربط کا عمل سرانجام دے رہی ہے۔ مولانا فراہی اور ان کے پہلی اور دوسری نسل کے تلامذہ انھی مقدرات کو پہچانتے اور معنی میں ربط تلاش کرتے ہیں۔ یہ ہرگز خارج سے داخل کیے گئے تصورات نہیں ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

یوں مقدرات وہ بنیادی اکائی ہیں، جن پر اجزاے کلام کا معنوی ربط قائم ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے انسانی فطرت، عرب سماج، دین ابراہیمی، عرب لسانی تصورات، اخلاقی حسن وقبح، انسان اور عربوں کے عقلی مسلمات، مادی تجربات، اور ظواہر کائنات وغیرہ پر مبنی مقدمات پر اپنے کلام کی معنویت کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ ان کے بیچوں بیچ اس نے نئے الوہی، اسلامی، اخلاقی اور حکمت الٰہیہ کے مقدمات کو بھی متعارف کرا کے مقدرات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اب قرآن مجید سے چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

مولانا فراہی نے سورۂ نجم کی ایک آیت کے جملے: 'فَلَا <u>تُزَكُّوْٓا</u> اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ <u>اتَّقٰى</u>' (۵۳: ۳۲) پر لکھا ہے:

یعنی اپنے <u>مزکی</u> ہونے (یا پاکی داماں) کی حکایت اتنی نہ بڑھاؤ، کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے کون <u>متقی</u> ہے۔

تو مولانا کہتے ہیں کہ اس سے یہ واضح ہوا کہ تزکیہ دراصل تقویٰ ہے۔[۳۱] آیت کے خط کشیدہ الفاظ کا موازنہ کریں۔ مولانا کی مراد یہ ہے کہ 'تُزَكُّوْا' میں تقویٰ کا مفہوم مقدر تھا، تبھی اس پر یہ جملہ بولنا مربوط ہوگا کہ وہ متقیوں کو جانتا ہے۔ میں مولانا فراہی کا حوالہ اس لیے دے رہا ہوں تاکہ یہ واضح ہو کہ میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا کہ نظم کلام کا داخلی جزو ہے، بلکہ اس تصور کے موجدِ اول نے یہی بات کہی ہے۔

۳۱؎ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن ۱۱۸۔

اب ایک مجموعۂ آیات کو دیکھیے کہ مولانا نے اسے کیسے حل کیا ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ. وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ. وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ. فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. (الذاریات ۵۱: ۴۷-۵۰)

''آسمان کو ہم نے عظیم قدرت کے ساتھ بنایا ہے اور ہم بڑی وسعت رکھنے والے ہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے، سو کیا خوب بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ اِس لیے دوڑو اللہ کی طرف، میں اُسی کی طرف سے تمھیں ایک کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔''

مولانا فراہی یہ کہتے ہیں کہ اس مجموعۂ آیات میں جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر خدا کی قدرت اور حکمت پر دلالت کر رہا ہے، پھر اس دار فانی کے تتمہ[۴] آخرت پر دلالت کر رہا ہے، اور پھر اعمال کے لیے مجازات کے تتمہ پر دلالت کر رہا ہے[۵]۔ مولانا کی بات کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے لیے 'بَنَيْنَا' (عمارت) کا لفظ اور زمین کے لیے 'فَرَشْنَا' (فرش یا زمین) کا لفظ بولا گیا، پھر کہا گیا کہ ہم نے ہر چیز جوڑا جوڑا بنائی ہے۔ تو واضح ہوا کہ زمین و آسمان عمارت اور فرش ہونے کی وجہ سے جوڑا جوڑا ہوئے۔ گویا اگر کسی جگہ صرف عمارت تو ہو، مگر نیچے زمین نہ ہو تو گھر نہ بنا، اسی طرح فرش تو ہو، مگر عمارت نہ ہو تو تب بھی گھر نہ ہوا۔ تو یوں گھر بنانے کے لیے آسمان اور زمین ایک دوسرے کے لیے تتمہ ہوئے۔ یعنی دونوں مل کر گھر تشکیل کرتے ہیں۔ پھر کلام آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر چیز کو جوڑے جوڑے اس لیے بنایا کہ تم ان سے یاددہانی حاصل کرو۔ مراد یہ کہ ہر چیز کو جوڑا اس لیے بنایا کہ تم اس کائنات پر اس زاویے سے نگاہ دوڑا کر ایک مخفی حکمت کو جانو کہ ہر چیز جوڑا جوڑا ہے۔ لیکن قرآن کی یاددہانی مادی نہیں، بلکہ روحانی ہے۔ اس لیے کلام آگے بڑھا تو کہا کہ اللہ کی طرف لپکو۔ اور اس لپکنے کی دعوت کو 'نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ' سے جوڑ کر ڈرانا قرار دیا۔ اب جب ہر چیز جوڑا ہے، اور جوڑے تذکیر کے لیے بنائے گئے، اس تذکیر سے نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی طرف بڑھو، ورنہ مارے جاؤ گے تو کلام منہ کھول کر اعلان کر رہا ہے کہ چیزیں جوڑا جوڑا بنانے کے عمل میں کوئی خبردار ہونے کی چیز موجود ہے۔ اس سے مولانا فراہی نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ کون سا جوڑا ہے جس سے خبردار ہونا چاہیے تو قرآن کے مضامین کی روشنی میں انھوں نے زمین کے فرش اور آسمان کے عمارت ہونے جیسے دو جوڑے نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ اس دنیا کا ایک جوڑا ہونا چاہیے جو اس دنیا کے تتمہ کا کام کرے۔ اور دوسرے یہ کہ اعمال کا تتمہ ان کی جزا و سزا ہے۔ یہ دونوں جوڑے بلاشبہ تتمہ بھی ہیں،

۴۔ Complemental Half وہ چیز جو کسی مجموعہ کو مکمل کرنے میں آدھا کردار ادا کرتی ہو یا کسی یونٹ کو مکمل کرتی ہو۔

۵۔ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن ۱۱۹۔

لیکن ساتھ ہی 'نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ' کی دعوت کا حصہ بھی۔ اسے مختصراً یوں سمجھیے:

آسمان اور زمین مل کر اس دنیا کو مکمل بناتے ہیں،

یہ اس اصول پر ہے کہ ہر چیز جوڑا جوڑا ہے، جن کے ملنے سے ایک یونٹ مکمل ہوتا ہے،

جوڑا جوڑا بنایا جانا ایک نشان ہے جس سے نصیحت حاصل ہوتی ہے،

یہ نصیحت خدا کی طرف بڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔

لہٰذا جوڑوں کے اس اصول میں کوئی ایسی بات ہے جو خدا کی یاددہانی دلوں میں ڈالتی ہے۔

اب چیزوں پر غور کریں تو ہر چیز کا جوڑا ہے، مگر اس دنیا کا جوڑا نہیں ہے۔ یعنی یہ دنیا دارالعمل ہے، لیکن دارالعمل دارالجزا کا تقاضا کرتا ہے۔ تب جا کر اس کی نیکی بدی کے شعور والے انسان کی زندگی کی معنویت مکمل ہوتی ہے۔

تو اس دارالعمل کا جوڑا دارالجزا ہونا چاہیے، یعنی آخرت۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ وہ شان دار استدلال ہے جو مولانا نے ان آیات کے نظم سے کشید کیا ہے۔ اسی کو مولانا کہتے ہیں کہ نظم حکمتِ قرآن کا دروازہ ہے۔

غرض یہ کہ لفظ، جملے، پیراگراف، سورتیں اور پھر ابواب اسی طرح کے مقدرات کے ساتھ مربوط ہو کر ایک شان دار مرتب کتاب کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس مضمون کا تنگ نا اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ان تمام پہلوؤں پر بات ہو سکے۔ لیکن مذکورہ بالا اصول اور اس کی روشنی میں چند مثالیں امید ہے بات کو سمجھانے کے لیے مفید ہوں گی۔ اس اصول کی عملی تطبیق کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مدرسۂ فراہی کے اکابرین کی تفاسیر کو پڑھا جائے۔ مولانا فراہی رحمہ اللہ کا ''مجموعہ تفاسیر''، مولانا امین احسن صاحب اصلاحی رحمہ اللہ کی ''تدبر قرآن'' اور استاذی الجلیل غامدی صاحب دامت برکاتہ کی ''البیان'' اسی نظم کی دریافت پر مبنی تفاسیر ہیں۔ ان کا اس زاویے سے مطالعہ اس بات کو مزید واضح کرے گا کہ نظمِ قرآن خارج سے قرآن کے کلام میں نہیں ڈالا گیا، بلکہ اس کے الفاظ و جمل کی دلالت اس طرف لے جاتی ہے۔ وہ زاویہ یہ ہے کہ کلام کے مقدرات کو کھول کر مربوط کرنے کا نام نظم قرآن ہے۔ ان کے علاوہ فراہی صاحب کی ''دلائل النظام''، اصلاحی صاحب کی ''مبادی تدبر قرآن'' اور استاذ گرامی کی ''میزان'' میں ''اصول و مبادی'' کا باب اور ''البیان'' کا ''خاتمہ'' بھی مفید مطلب ثابت ہوگا۔ لیکن مقدرات کے کھولنے اور نظم واضح کرنے کی عملی صورت بہرحال صرف تفاسیر ہی میں ملے گی۔

وہ تفاسیر، جو شانِ نزول، فلسفہ، منطق، تصوف اور اسلاف کی آرا پر مشتمل ہیں، وہ دراصل خارج سے متنِ قرآن

کی تفسیر کرنا ہے، جب کہ ہم پیروانِ مدرسۂ فراہی، اسی معنی کو قبول کرتے ہیں، جن کو قرآن کے الفاظ، جمل اور سیاق و سباق وغیرہ اپنے معانی اور ان سے وابستہ مقدرات کے طور پر قبول کرتے ہوں۔ یہ اتنا محکم ضابطہ ہے کہ اس میں کسی مفسر کی غلطی پکڑنے اور اس کی تفسیر کی اصلاح و تصحیح کا باب ہمیشہ وا رہتا ہے۔ مثلاً اگر مولانا فراہی کسی مقدر کو غلط کھولیں اور کلام کسی اور مقدر کی طرف اشارہ کر رہا ہو تو فکر فراہی کا ایک طالب علم بھی ان سے اختلاف کر کے اصلاح کر سکتا ہے۔ اسی بات کو استاذ گرامی یوں کہتے کہ قرآن کے شہرستان معانی کا ایک ہی دروازہ ہے، اور وہ لفظ ہے۔

لیکن جب معنیِ قرآن کا فیصلہ خارج سے ہونا ہو، اور ان لوگوں کے اقوال سے ہونا ہو، جنھیں امامت کا درجہ حاصل ہو تو پھر اصلاح و تصحیح کی کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ یہ مقام صرف رسولِ خدا کو حاصل ہے کہ ان کی بات سے چون و چرا نہ کیا جائے۔ آپ کے بعد یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مدرسۂ فراہی سنتِ متواترہ کو قرآن کی حتمی تفسیر مانتا ہے۔ لیکن خبر آحاد کے بارے میں توقف اور غور و فکر کا قائل ہے، اس لیے کہ آپ سے ان کی نسبت کے ظن اور روایت بالمعنیٰ میں خطا کے امکان نے اس کا مقامِ معصومیت اس سے چھین لیا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ سنتِ متواترہ بھی لسانی تواتر کا حصہ ہے، یہ بھی خارج سے تفسیر نہیں ہے۔ جب قرآن 'اَقِمِ الصَّلٰوۃَ' کہتا ہے، تو ہم 'الصَّلٰوۃ' کے معنی پنجگانہ نماز صرف اس لیے نہیں کرتے کہ یہ سنت متواترہ میں آیا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ عہدِ نزولِ قرآن سے تا حال 'الصَّلٰوۃ' کے لغت میں متواتر معنی یہی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ڈاکٹر عرفان شہزاد

دین میں معیارِ حق: شخص یا اصول

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

دین اسلام میں کسی شخص کی مطلق اطاعت اور اندھی تقلید کا تصور موجود نہیں ہے۔ کسی انسانی شخصیت کو مطلقاً معیارِ حق قرار نہیں دیا گیا۔ دین میں معیارِ حق، وحی اور اس کے طے کردہ اخلاقی اور شرعی اصول اور قوانین ہیں۔ چنانچہ دینی شخصیت خواہ کوئی بھی ہو، اس کے اقوال، افعال اور اعمال کو دین و شریعت کے معیار پر پورا اترنے کے بعد ہی نمونۂ عمل یا معیارِ مطلوب کے مطابق قرار دیا گیا ہے۔ کسی بھی شخصیت کا کوئی بھی قول اور فعل اگر دین کے مسلمہ اصولوں یا معیارِ مطلوب سے کم نکلے تو اسے رد کرنا ہی دین کا تقاضا ہے۔ اس اصول سے کسی کو بھی استثنا حاصل نہیں، حتیٰ کہ انبیا کو بھی نہیں، جن کو دین میں اعلیٰ ترین منصب حاصل ہے۔ اس اصول کی طرف رہنمائی قرآن مجید نے نہایت وضاحت سے کی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ.	''اور (بیعت کرنے والی یہ خواتین) بھلائی کے کسی معاملے میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی۔''
(الممتحنہ ۶۰: ۱۲)	

یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی منکر کا حکم نہیں دے سکتے تھے، تاہم بطور اصول یہ لکھ دیا گیا کہ رسول کی اطاعت بھی صرف معروف، یعنی بھلائی کے کاموں میں ہی کی جا سکتی ہے۔ بالفرض محال، رسول کی بھی کوئی بات غیر معروف پر مبنی ہوتی تو اس کی اطاعت بھی نہ کی جاتی کہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرماں برداری نہ کرنے کا اصول یہاں بھی لاگو ہے۔

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی دل جوئی کے لیے کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام ٹھیرالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کو تنبیہ فرمائی کہ ایسا کرنا آپ کے منصبِ رسالت کے مطابق نہیں تھا۔ آپ کا کردار، آپ کے اعمال وافعال لوگوں کے لیے نمونۂ عمل ہیں، آپ خدا کی کسی حلال چیز کو خود پر حرام نہیں ٹھیرا سکتے۔ یہ ایک غیر ارادی تجاوز تھا جو آپ سے اپنی بیویوں کی دل داری کے لیے ہو گیا تھا، مگر اس پر تنبیہ ہو جانے پر آپ نے اپنی قسم توڑی اور کفارہ ادا فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ. (التحریم ۶۶: ۱-۲)

”اے نبی، تم اپنی بیویوں کی دل داری میں وہ چیز کیوں حرام ٹھیراتے ہو، جو اللہ نے تمھارے لیے جائز رکھی ہے؟ (خیر جو ہوا سو ہوا)، اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ اپنی اِس طرح کی قسموں کو توڑ دینا اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے اور اللہ ہی تمھارا مولیٰ ہے اور وہ علیم وحکیم ہے۔“

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہاں آپ کا پہلا عمل نمونۂ تقلید نہ تھا، اس لیے بروقت اس کی اصلاح کر کے اسے اس لحاظ سے نمونۂ تقلید بنا دیا گیا کہ اگر اس قسم کی کوئی قسم اٹھالی جائے تو اس کا توڑنا واجب ہے۔

اسی طرح دیگر انبیا کے قصص بھی قرآن میں موجود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ہو گیا۔ آپ نے اسے شیطانی فعل قرار دیا، خدا سے معافی مانگی۔ خدا نے بھی یہ نہیں کہا کہ کوئی بات نہیں، آپ سے غیرت میں آ کر قتل ہو گیا ہے، نیز آپ کا ارادہ تو تھا بھی نہیں، اور مرنے والا ایک کافر اور ظالم قوم کا فرد تھا۔ اس کے برعکس اللہ نے اس فعل کو جرم ہی قرار دیا کہ یہ اگرچہ غیر ارادی طور پر سرزد ہوا، تاہم تھا یہ قتلِ خطا کا جرم ہی، چنانچہ اس پر معافی مانگنے پر اللہ نے آپ کو معاف فرمایا اور آپ نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا:

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَۃٍ مِّنْ اَھْلِھَا فَوَجَدَ فِیْھَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ھٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ وَھٰذَا مِنْ عَدُوِّہٖ فَاسْتَغَاثَہُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِہٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّہٖ فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ قَالَ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ. قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ

”(ایک دن اتفاق سے) وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوا، جب کہ شہر کے لوگ بے خبر ہوتے تھے تو اُس نے دیکھا کہ دو آدمی وہاں لڑ رہے ہیں۔ ایک اُس کی اپنی قوم میں سے تھا اور دوسرا اُس کے دشمنوں کی قوم میں سے۔ پھر اُس کی قوم کے آدمی نے اُس شخص کے مقابل میں اُس کی مدد چاہی جو اُس کے دشمنوں میں

فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ. (القصص ۲۸: ۱۵-۱۷)

سے تھا تو موسیٰ نے اُس کے گھونسا مارا اور اُس کا کام تمام کر دیا۔ (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰ نے کہا: یہ تو مجھ سے شیطانی کام ہو گیا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ شیطان ایک کھلا ہوا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ اُس نے دعا کی کہ میرے پروردگار، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، سو مجھ کو بخش دے تو اُس کے پروردگار نے اُسے بخش دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار، یہ عنایت جو تو نے مجھ پر فرمائی ہے، اِس کے بعد تو اب میں اِس طرح کے مجرموں کا کبھی مددگار نہ بنوں گا۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پھر ایک اور موقع پر جب موسیٰ علیہ السلام پہلی دفعہ خدا کے ساتھ ہم کلام ہوئے اور عصا کو سانپ میں تبدیل ہوتے دیکھ کر آپ خوف زدہ ہوئے تو اس پر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کے اسی جرم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ رسولوں کو اللہ کے حضور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈرے وہ جس نے کوئی ظلم کیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کے قتل کے معاملے میں ظلم ہو گیا تھا، لیکن چونکہ آپ نے توبہ کر کے اور آیندہ ایسے کسی طرز عمل سے خود کو بچا کر خدا سے معافی حاصل کر لی تھی، اس لیے آپ کو بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں:

یٰمُوْسٰٓی اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ کَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ. اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (النمل ۲۷: ۹-۱۱)

’’اے موسیٰ، یہ میں ہوں اللہ، زبردست اور حکیم (اس لیے مضبوط ہو جاؤ) اور اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دو۔ پھر جب موسیٰ نے اُس کو دیکھا کہ وہ اِس طرح بل کھا رہی ہے، گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔ (ارشاد ہوا): اے موسیٰ، ڈرو نہیں، میرے حضور پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ ہاں مگر جو برائی کے مرتکب ہوں، پھر برائی کے بعد وہ اُسے بھلائی سے بدل دیں تو (اُن کے لیے) میں بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔‘‘

اسی تناظر میں نہایت اہم واقعہ یونس علیہ السلام کا ہے۔ وہ خدا کے حکم سے پہلے اپنی بستی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس پر ان کو نہ صرف تنبیہ ہوئی، بلکہ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں قید رکھ کر سزا بھی دی گئی، بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ اگر وہ اپنی اس خطا پر خدا سے معافی طلب نہ کرتے تو مچھلی کا وہی پیٹ ان کا مدفن بن جاتا:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (الانبیاء ۲۱: ۸۷)

''اور مچھلی والے (یونس) پر بھی، جب وہ (اپنی قوم سے) برہم ہو کر چلا گیا اور اُس نے خیال کیا کہ ہم اُس پر کوئی گرفت نہ کریں گے۔ لیکن پھر اندھیروں میں پکار اٹھا کہ (پروردگار)، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔''

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ. فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ. فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ. فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ. لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ. فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ. وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ. وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ. (الصافات ۳۷: ۱۳۹-۱۴۷)

''یونس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھا۔ یاد کرو، جب وہ (اپنی قوم کو چھوڑ کر) کشتی کی طرف بھاگ نکلا، جو (مسافروں سے) بھر چکی تھی۔ پھر (کشتی طوفان میں گھر گئی اور اُن کے کہنے پر) اُس نے قرعہ ڈالا تو (اُسی کے نام پر نکلا اور) وہ (دریا میں) پھینک دیا گیا۔ پھر اُس کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ سزاوار ملامت ہو چکا تھا۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔ تو اُس دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں پڑا رہتا، جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسی تناظر میں ایک واقعہ نوح علیہ السلام کا قرآن مجید میں نقل ہوا ہے۔ ان کی قوم پر جب طوفان آیا تو ان کا بیٹا بھی اس میں ڈوب گیا۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان سے پہلے نوح علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ وہ اپنے اہل عیال کو کشتی میں سوار کرا لیں اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اُس طوفان سے وہی بچیں گے جو ایمان والے ہوں گے:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ. (ہود ۱۱: ۴۰)

''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور طوفان ابل پڑا تو ہم نے کہا: ہر قسم کے جانوروں میں سے نر و مادہ، ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (اِس کشتی میں سوار کرا لو)، سوائے اُن کے جن کے

بارے میں حکم صادر ہو چکا ہے، اور اُن کو بھی جو ایمان لائے ہیں ـــــ اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔‘‘

نوح علیہ السلام کا بیٹا باوجود باپ کی دردمندانہ اپیل کے ان کے ساتھ شامل ہونے سے انکاری رہا اور موجوں کا شکار ہو کر ڈوب گیا:

وَهِیَ تَجۡرِیۡ بِهِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ وَنَادٰی نُوۡحُ ۨابۡنَهٗ وَكَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡكَبۡ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِیۡنَ. قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ وَحَالَ بَیۡنَهُمَا الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ. (ہود ۱۱: ۴۲-۴۳)

’’وہ کشتی پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہوئی موجوں کے درمیان اُن کو لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی، جو (کچھ فاصلے پر اُس سے) الگ تھا۔ بیٹا، ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور اِن منکروں کے ساتھ نہ رہو۔ اس نے پلٹ کر جواب دیا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے اِس پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، مگر جس پر وہ رحم فرمائے۔ (اتنے میں) ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوئی اور وہ بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خدا کا حکم واضح تھا کہ نجات کس کے لیے ہے، لیکن نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی محبت میں جذبات سے مغلوب ہو کر خدا سے سوال کر بیٹھے:

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ. (ہود ۱۱: ۴۵)

’’نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ پروردگار، میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور اِس میں شبہ نہیں کہ تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔‘‘

اس پر انھیں پرجلال تنبیہ کی گئی کہ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ اس عذاب سے صرف اہل ایمان بچیں گے اور آپ کا بیٹا اہل ایمان میں سے نہ تھا، بلکہ سخت ناہنجار تھا۔ اس پر فوراً نوح علیہ السلام نے خدا سے معافی مانگی:

قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ

’’فرمایا: اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں

غَیۡرُ صَالِحٍ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ. قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ. (ہود ۱۱: ۴۶-۴۷)

ہے، وہ نہایت نابکار ہے۔ سو مجھ سے اُس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جس کا تجھے کچھ علم نہیں ہے۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو۔ نوح نے فوراً عرض کیا: پروردگار، میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کوئی ایسی چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور (جانتا ہوں کہ) اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامراد ہو جاؤں گا۔‘‘

سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دنیا میں کتاب ہستی کے پہلے صفحے پر آدم علیہ السلام کی غلطی رقم ہے، جس پر انھیں جنت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ نمونۂ عمل، البتہ ان کا یہ فعل بنا کہ انسان کو غلطی کے بعد شیطان کی طرح اپنی غلطی پر اڑ نہیں جانا چاہیے، بلکہ ندامت کے ساتھ خدا سے معافی مانگ کر خدا سے تعلق استوار کر لینا چاہیے:

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی. ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیۡهِ وَهَدٰی. (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۱-۱۲۲)

’’اِس طرح آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا۔ پھر اُس کے پروردگار نے اُس کو برگزیدہ کیا۔ سو اُس کی توبہ قبول فرمائی اور اُسے راستہ دکھا دیا۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وحی کی روشنی میں پیغمبر، ہمارے لیے نمونۂ عمل اس لیے بنتے ہیں کہ ان کے درست اعمال پر خدا کی طرف سے کھلی یا خاموش تائید اور ان سے سرزد ہو جانے والی فروگذاشتوں پر بروقت تنبیہ آ جاتی تھی، جس سے مطلوبہ معیاری عمل واضح ہو کر سامنے آ جاتا تھا، لیکن وحی کا سلسلہ رک جانے کے بعد، ایسا کوئی امکان ہی موجود نہیں کہ کوئی شخصیت کامل نمونۂ عمل بن سکے۔ زمانہ بعد از وحی میں، دینی شخصیات کی فروگذاشتوں پر خدا کی طرف سے نہیں، بلکہ اسی وحی کی روشنی میں اس وحی کا فہم رکھنے والوں کی طرف سے تنبیہ اور تنقید کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ اس وحی کی کسوٹی پر جس کا عمل پورا اترے گا، اس کا وہی عمل نمونۂ عمل اور لائق تقلید مانا جائے گا۔ کوئی شخصیت اور اس کا کوئی عمل بھی اپنے آپ میں کوئی معیار نہیں ہے۔ اس اصول سے کسی بھی شخصیت کو استثنا حاصل نہیں۔

اشراق

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

مدیر ''البرہان'' کی خدمت میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

گذشتہ سال فاضل گرامی جناب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے آپ کے مجلّہ ''البرہان'' کے کئی شمارے عنایت کیے تھے جو سب ایک ہی نشست میں پڑھ گیا۔ اکثر مباحث بڑے معلوماتی وفکرانگیز تھے۔ بعض مضامین پر لکھنے کا داعیہ بھی ہوا، مگر مختلف مصروفیات حائل ہوگئیں۔ ابھی حال میں محترم ندوی صاحب نے ۵ شمارے بشمول مارچ ۲۰۱۶ء کے خصوصی نمبر کے پھر عنایت فرمائے اور ان کو بھی پہلی فرصت میں پڑھ ڈالا۔ اسلامی تعلیم سے متعلق آپ کی ایک کتاب بھی مطالعہ میں آئی تھی۔ اسلامی تعلیم کی تدوین جدید اور خاص مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم سے متعلق راقم نے بھی بہت کچھ لکھا ہے؛ بڑے بڑے مدارس کا دورہ بھی کیا۔ ان کے علما و ارباب حل وعقد سے باتیں بھی ہوئیں۔ بعض کے انٹرویو لیے اور مستقل سوچتا اور لکھتا رہتا ہوں۔ آپ ایک اہم فکری وعملی محاذ پر لگے ہوئے اور اب آپ کے قارئین کا ایک حلقۂ فکر بھی بن گیا ہے۔ مدارس کے نظام تعلیم میں اصلاحات کی بات کو ایک صدی ہوچکی ہے۔ میرا ناقص خیال یہ ہے کہ اب تقاضا نظری مباحث کے بجائے عملی اقدام کا ہے۔ آپ آگے بڑھ کر ایک نیا نظام تعلیم ترتیب دیں اور خود ایک ماڈل مدرسہ قائم کریں جہاں دینی و دنیاوی ثنویت کو مٹا کر اس نئے نصاب کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اس کے بہتر نتائج دیکھ کر ہوسکتا ہے کہ ملت اس طرف متوجہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ علما اور اہل مدارس کو چند چیزیں اصلاحات سے روکتی ہیں:

۱۔ اکابر واسلاف کی تقدیس کا رویہ۔ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ اکابر واسلاف نے جو کتابیں (کتنی ہی فرسودہ سہی) مقرر کردی ہیں، ان میں برکت ہے ان کو نہ پڑھائیں گے اور ان کے طریقہ سے ہٹیں گے تو دین وایمان کو خطرہ پیش

آ جائے گا۔ان کو موجودہ صورت حال سے نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ بالجبر مدارس کے نظام میں تبدیلیاں لا دی جائیں جیسا کہ جامعہ الازہر میں ہوا ہے۔مگر ایسا کرے گا کون، یہ بھی سوال ہے، کیونکہ حکومت خود بھی صالح نہیں تو اس کے ذریعے سے صالح تعلیمی انقلاب کیسے آ سکتا ہے؟

۲۔ دوسرا بڑا سبب روزی روٹی، اپنا حلقۂ اثر اور جماعتی اساس کھو جانے کا خطرہ ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ یہ مدارس اسلامیہ مسلکی فرقہ واریت شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، حنفی، سلفی و جماعتی (جماعت اسلامی) کا سرچشمہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ سارے تعصّبات مدارس اوران کے منہج سے ہی طلبا، علما اور عوام میں پھیلتے ہیں۔کوئی ایک آدھ استثنا ہو تو ہو، مگر عمومی کیفیت یہی ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء اس صورت حال کے خلاف ایک بڑا محاذ بن کر سامنے آیا تھا اور الحمد للہ وہاں مسلکیت کے جراثیم اب بھی نہیں ہیں، مگر حضرت مولانا علی میاں اور ان کے جانشینوں نے اس کو جس تبلیغی رخ پر ڈال دیا ہے، اس وجہ سے ندوہ سے بھی کسی بڑے خیر کی توقع ہم کو نہیں ہے۔

۳۔اہل مدارس ہمیشہ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ نیا نصاب کہاں سے آئے گا، اور پھر اس کو پڑھائے گا کون، اس لیے کہ موجود علما تو اسی روایتی درس نظامی سے ہی مانوس ہیں، بس اسی کو پڑھا سکتے ہیں۔غرض اس محاذ پر عملی اقدام کا سوچیں۔ایک اسلامی یونیورسٹی/ کالج/ ماڈل مدرسہ کا قیام آپ کا حلقہ کرے تو بہت مناسب ہوگا۔اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مدارس اسلامیہ کے لیے جو برج کورس تشکیل دیا ہے، اس کا تجربہ خاصا مفید ثابت ہو رہا ہے، اس سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

آپ کے موقر مجلّہ میں مغرب، مغربی تہذیب، مغربی علوم پر تنقید و تبصرہ بھی اکثر ہوتا ہے۔ان میں بعض اوقات کام کی چیزیں بھی ہوتی ہیں، مجھے آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں کہ آپ نے مغربی تہذیب کو نہیں پڑھا ہوگا۔ مگر علماے کرام کے بارے میں یہ خوش گمانی نہیں کہ وہ مغربی تہذیب کی الف ب سے بھی واقف ہوں گے۔جس عالم کو دیکھیے اپنی تقریر و تحریر کی ابتدا مغرب کو (اس کو جانے بغیر) لعن طعن سے کرتا ہے۔طرفہ تماشا یہ ہے کہ میں نے آج تک ایسا کوئی عالم نہیں دیکھا جسے امریکا، برطانیہ، کینیا وغیرہ میں امامت، مؤذنی، اسلامی مرکز میں کام وغیرہ کی کوئی پیش کش ہوئی اور اس نے ٹھکرا دی ہو اور ہندوستان یا پاکستان میں دین کی خدمت کو ترجیح دی ہو۔علما کے پرے کے پرے ہیں جو ہر سال مغربی ممالک میں تراویح سنانے، جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کرنے جاتے ہیں، وہاں اعتکاف وغیرہ کرتے ہیں۔ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن آپ مغرب میں قیام سے متعلق ان سے فتویٰ پوچھیے تو وہ کہیں گے کہ فقہ کی رو سے مغرب دارالحرب ہے اور دارالحرب میں مسلمانوں کا مستقل قیام جائز نہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آپ کے ایک مقالہ نگار سید خالد جامعی توہینِ رسالت کے ضمن میں غامدی صاحب کے موقف کے تعاقب میں لکھتے ہیں کہ ''دیار کفر میں مستقل قیام کو شریعت نے اجماع سے حرام قرار دیا ہے، شیخ حسن بصری تو لکھتے ہیں کہ ایسا مسلمان واپس آئے تو اسے قتل کر دیا جائے''۔ جامعی صاحب نے حسن بصری کا قول تو بالکل غلط پس منظر میں نقل کیا ہے، لیکن میں جامعی صاحب سے پوچھنا چاہوں گا کہ آپ جس اجماع کی بات کر رہے ہیں، آپ کے علما مسلسل اس کو توڑنے کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس کے خلاف کیوں قلمی جہاد آپ نہیں فرماتے؟

مغربی تہذیب کے مطالعہ کی ریت قائم کیجیے

مغربی تہذیب اور اس کے بطن سے پیدا شدہ جمہوریت و سیکولرزم سراپا شر نہیں ہیں۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے جو چیز سراپا شر ہو، اس کو غلبہ دینا سنۃ اللہ کے خلاف ہے۔ ان کا شر ہونا اضافی ہے، مثال کے طور پر انڈیا کے مسلمان (ہر طبقۂ فکر کے) نہ صرف جمہوریت و سیکولرزم کی حمایت کرتے ہیں، بلکہ مسلمان ہی عملاً ان کے محافظ بنے ہوئے ہیں، کیونکہ یہاں کی جارح ہندو اکثریت کو جمہوریت و سیکولرزم سے کوئی فائدہ نہیں۔ الٹا نقصان ہے اور یہاں ہندتو کے عفریت کو جمہوریت وسیکولرازم کے ہتھیار سے ہی ہم روک پاتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے، یہاں تک کہ حکومت الٰہیہ کے علم بردار بھی یہاں جمہوریت و سیکولرزم کی حمایت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں پاتے۔ مسلم اکثریتی ممالک کی بات دیگر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کا کام کفر سے بھی لیتا ہے۔ ہمارے خیال میں ہند میں جمہوریت وسیکولرازم کو آج اسی کفر کے معنی میں لیا جاسکتا ہے۔ اس لیے جمہوریت کے حق میں جناب محمد رشید صاحب کی دلیلوں میں معقولیت ہے۔ اس کی کامیابی کی مثال میں موجودہ ترکی کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

یقیناً مغربی تہذیب کی اساس عقل کو خدا مان لینا اور وحی کو نہ ماننا ہے۔ اور اس سے جو کلچر پیدا ہوا ہے، اس میں عریانیت، بے باکی، اخلاقی بے راہ روی جیسی شدید درجہ کی برائیاں ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ خوبیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس کا عروج بھی ہے۔ مثلاً احترام انسان، فرد کی آزادی ہے (اس میں غلو ہے)۔ اظہار خیال کی مکمل آزادی (اس میں بھی مبالغہ ہے)، یاد رہے اظہار کی آزادی اسلام میں بھی ہے، مگر (مسلمانوں میں نہیں) موجودہ مسلم معاشرہ فرد کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اس کی آزادی فکر ونظر پر پہرے بٹھاتا ہے۔ اس لیے آج کا مسلم ذہنی بحران کا شکار ہے اور کسی بھی طرح کی تخلیقیت سے محروم ہے۔ اپنے اکابر اور مزعومہ مقدسین میں ہی اٹکا ہے۔ ان سے چھٹکارا ملے تو کچھ دنیا میں تخلیقی کرنے کی سوچے۔ فقہ قدیم جس کے پاس جدید دور کے مسائل کا حل نہیں، مسلم ذہن ودماغ پر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پیر تسمہ پا کی طرح مسلط ہے۔ اس سے چھٹکارا پائے بغیر آپ کیا مغربی تہذیب کا مقابلہ کریں گے۔ مغرب میں Rule of Law ہے۔ ایمانداری ہے، ہمارے ہاں موقع پاتے ہی ہر شخص کرپشن کی دلدل میں پھنسنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ان کے ہاتھ عموماً ایسا نہیں ہے۔ یہ تو ظاہری پہلو ہیں۔ ہم نے مغرب کو پڑھا ہی نہیں ہے۔ اقبال نے پڑھا تھا اور بڑے تیکھے تبصرے مغربی تہذیب پر بھی کیے ہیں۔ مگر اسی اقبال نے یہ بھی تو کہا تھا:

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب نے ز از رقص زنان بے حجاب

قوتِ مغرب از علم و فن است از ہمیں آتش چراغش روشن است

علم وفن پر جیسی توجہ وہاں ہے اور جیسی ریسرچ و تحقیق وہ کراتے ہیں۔ تحقیق پر جو محنت مغربی اسکالر کرتے ہیں، کیا ہمارے ہاں اس کا عشر عشیر بھی پایا جاتا ہے۔ مستشرقین کو گالیاں دیتے ہمارے علما تھکتے نہیں، مگر کون سا عالم دین ہے جس نے اے جے وسینک کی طرح ''مسند احمد'' جیسے ذخیرۂ حدیث کا ایک ایک لفظ پڑھا ہو، پھر کتب حدیث کا انڈیکس (مفتاح کنوز السنۃ) تیار کیا ہو؟ پاکستان کے بارے میں خوش گماں ہوں، مگر اپنے ہاں میں دیکھتا ہوں کہ مدارس کے عالم دین، محدث وفقیہ ہوں یا یونیورسٹی کے دانش ور۔ ان کے نام سے بڑی بڑی کتابیں منظر عام پر آتی ہیں۔ ان کی شہرت ہوتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایک لفظ بھی ان کا لکھا ہوا نہیں ہوتا، سب شاگردوں اور ریسرچ اسکالروں کی محنت ہوتی ہے جن کو یہ حضرات اپنے نام سے چھپوانے اور ان کی اشاعت کرنے میں ذرا بھی نہیں شرماتے اور پھر بھی محدث وفقہ یا بڑے اسلامی اسکالر اور دانش ور کہلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اس بیان کو مبالغہ پر محمول نہیں سمجھیں ایسے حضرات کو نام بہ نام جانتا ہوں)۔ اس لیے جس طرح کی تنقیدیں مغرب پر آپ حضرات کر رہے ہیں، ان بے بنیاد تنقیدوں سے کوئی کام نہیں چلے گا۔ اس کے مقابلہ میں مغرب کے مطالعہ کی ریت قائم کریں۔ کوئی ایسا سینٹر اور مرکز ہو یا جہاں اس کا تحقیقی، گہرا اور معروضی مطالعہ کرایا جائے۔ محترم پروفیسر نجات اللہ صدیقی سے کئی بار راقم نے بالمشافہ پوچھا کہ کیا اسلامی دنیا میں کہیں بھی کوئی ایسا سینٹر قائم ہے۔ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ فرمایا: ایران میں انقلاب کے بعد ایک کوشش ہوئی تھی، مگر وہ بھی جلد ہی دم توڑ گئی۔ مغرب کو کوسنے کاٹنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ الٹا ہمارے لوگوں اور علما کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ پھر سید خالد جامعی اور نادر عقیل انصاری اور دین محمد جوہر اور پروفیسر طارق بٹ جیسے دانش ور فکر قرآنی کے علم برداروں پر حملے کرتے ہیں۔ مغرب کو لعن طعن کرتے ہیں۔ اور اپنی تحریروں میں علمی مغالطوں سے کام لیتے ہیں، حقائق سے وہ کھلواڑ کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ یہ دانش وری ہے تو دانش فروشی کیا ہے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کے ناقدین کی بارگاہ میں

تیسری چیز جس پر مجھے کچھ عرض کرنا ہے، وہ ہے مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا حمید الدین فراہی پر آپ کے مجلّہ میں ہونے والا بے محل اور غیر علمی نقد۔ میرے سامنے مولانا صلاح الدین یوسف اور پروفیسر طارق بٹ کے مضامین ہیں۔ بٹ صاحب نے مآخذ دین پر مولانا اصلاحی کی تنقید کا مخدوش ہونا لکھا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں حضرات حدیث کو ماخذ دین نہیں سمجھتے، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہمیں بتایا جائے، لیکن ان کے اپنے الفاظ میں ہو، آپ کے استنباط کی شکل میں نہ ہو۔ جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے، محترم جاوید احمد غامدی اور مولانا عمار احمد خاں ناصر نے بھی کوئی بات نہیں لکھی کہ اس پر انکارِ حدیث کا اطلاق کیا جا سکے۔ نادر عقیل اور طارق بٹ اور مولانا صلاح الدین یوسف اور دوسرے مہربان ناحق اور زبردستی غامدی صاحب اور مولانا اصلاحی کو منکر حدیث قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی ہے کہ ''دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے'' (میزان ۱۳)۔ اتنی صراحت کے باوجود بھی یہ محترم ناقدین ان کو منکر حدیث قرار دیتے ہیں!! حافظ صلاح الدین یوسف صاحب تو مولانا اصلاحی کی تکفیر پر آمادہ ہیں۔ صلاح الدین یوسف صاحب اہل حدیث کے بڑے علما میں سے شمار ہوتے ہیں۔ ''خلافت و ملوکیت'' مولانا مودودی پر ان کا نقد جان دار ہے، مگر جو زبان وہ مولانا اصلاحی کے لیے استعمال کر رہے ہیں، وہ ان کے شایان شان نہیں۔ ہم مؤدبانہ عرض کریں گے کہ حضرت، آپ کا فرقہ بھی بہت سے دیوبندی حنفی علما کے تکفیری فتووں کی زد میں ہے۔ پہلے آپ اپنا ہی دفاع فرما لیں، دوسروں پر بعد میں سنگ باری کریں۔ اجماع و جمہور کی دہائی دینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ تقلیدِ ائمۂ اربعہ، طلاق ثلاثہ، رکعات تراویح کے سلسلہ میں تو آپ کے مسلک پر خود خرقِ اجماع کا الزام ہے، اس الزام کو تو رفع کر لیں۔ رہی آپ کی اور آپ کے فرقہ کی قرآن دانی جس کے لیے آپ نے چند ناموں کا حوالہ دیا ہے، ان میں ایک تو خود آپ ہی شامل ہیں، یہ تو تواضع علمی اور انکساری نہ ہوئی علمی غرور ہوا۔ سعودی عرب سے چھپنے والی جس تفسیر کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس کا احوال ذرا ندوۃ العلماء کے استاد مولانا برہان الدین سنبھلی اور محمد امام الدین رام نگری سے پوچھیے۔ ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ وہ ترجمہ و تفسیر پورا ''بیان القرآن'' مولانا تھانوی سے ماخوذ و سرقہ ہے۔ اس سلسلہ میں ایک طویل مضمون ''ترجمان الاسلام'' بنارس (انڈیا) میں ''چہ دلاور است دزدے بکف چراغ دارد'' کے عنوان سے چھپ چکا ہے!! خدا کے ہاں غامدی صاحب کو بھی جانا ہے اور ان کرم فرماؤں کو بھی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خیر یہ جملہ معترضہ تھا، سردست جناب جاوید احمد غامدی اور حدیث کے بارے میں ان کا موقف زیر بحث نہیں۔ زیر بحث ہے مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کا موقف۔ ''تفسیر نظام القران'' (اردو ترجمہ اصلاحی)، ''تدبر حدیث''، ''دروس موطا''، ان تینوں میں مولانا اصلاحی نے کھل کر اپنا اور اپنے استاد کا موقف حدیث کے بارے میں بتا دیا ہے کہ وہ امت سے الگ کوئی موقف نہیں رکھتے۔ پھر ان کی صراحتوں کے باوجود ان کو کیوں انکار حدیث کا مجرم ٹھیرایا جا رہا ہے۔

پروفیسر طارق بٹ سوال کرتے ہیں کہ مآخذ دین پر مولانا اصلاحی کی تنقید کا مخدوش ہونا بعض لوگوں کو کیوں سمجھ میں نہیں آتا؟

اس کا جواب انھوں نے خود یہ دیا ہے کہ مولانا اصلاحی مغربی فکر و تہذیب سے شعوری یا لاشعوری طور پر مرعوب اور خصوصاً مستشرقین کی حدیث و سنت کے بارے میں آرا سے متاثر ہو گئے تھے۔ یاد رہے کہ مغربی فکر سے مرعوبیت پر خود مولانا اصلاحی کا جان دار نقد حال ہی میں ''اشراق'' میں شائع ہوا تھا، موصوف اسے ملاحظہ فرما لیں اور اپنی تصحیح کر لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے مآخذ دین پر تنقید نہیں کی ہے۔ بٹ صاحب آپ خلط مبحث کر رہے ہیں۔ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی، دونوں نے تفسیر قرآن کے مآخذ پر گفتگو کرتے ہوئے تفسیری روایات اور شان نزول کی احادیث پر تنقید کی ہے۔ دونوں میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ تفسیری روایات پر نقد کے سلسلہ میں سلف کے ہاں اس سے بھی زیادہ سخت رائے پائی جاتی ہے جس کے سبب مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی پروفیسر بٹ صاحب کے نزدیک مطعون قرار پائے۔ یہ دونوں حضرات اس سلسلہ میں بے حد محتاط ہیں، اس لیے کہ تفسیری روایات اور خاص کر شان نزول کی روایات اکثر و بیش تر ضعیف و موضوع ہیں، اسی لیے تفسیری روایات کے بارے میں بعض ائمۂ سلف کا موقف اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد جیسے بڑے ذخیرۂ حدیث کے جامع اہل سنت کے عظیم اماموں میں سے ایک ہیں، لیکن وہ تفسیری روایات کے بارے میں فرماتے ہیں: 'ثلاثة لا أصل لها: التفسير والملاحم والفتن'۔ علامہ ابن حجر نے ان کا یہ قول بایں الفاظ نقل کیا ہے:

قال الإامام أحمد: ثلاثة كتب ليس لها أصول، وهي المغازي والتفسير والملاحم.

قال الحافظ ابن حجر: ينبغي أن يضاف إليها الفضائل، فهذه أودية الأحاديث الضعيفة والموضوعة، إذكانت العمدة في المغازي على مثل الواقدي، وفي التفسيرعلى مثل مقاتل الكلبي وفي الملاحم على الإسرائيلات، وأما الفضائل فلا تحصى كم وضع

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

الرافضة في فضائل أهل البيت وعارضهم جهلة أهل السنة بفضائل معاوية، بدئوا بفضل الشيخين وقد أغناهما اللّٰه وأعلى مرتبتهما عنها. (لسان المیزان ۱/ ۱۳)

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں: تفسیر، مغازی اور ملاحم۔ حافظ ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں فضائل کا اور اضافہ کر لیا جائے۔ یہ چاروں ضعیف و موضوع حدیثوں کے میدان ہیں۔ آگے حافظ رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہیں۔

امام احمد کے اس قول کی تائید محدث خطیب بغدادی نے بھی کی اور اس کی توضیح بھی۔ جیسا کہ ملا علی القاری نے ''الاسرار المرفوعۃ'' میں صفحہ ۳۹۹ میں لکھا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اس نقد کی شدت کو کم کرتے ہوئے اس کی توجیہ کی: 'أي لا أصل لها' (ابن تیمیہ، مقدمہ فی التفسیر)۔ سردست ملاحم و فتن پر بحث کو کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ تفسیری روایات کا معاملہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و متصل مرفوع احادیث گنتی کی ہیں جو اس باب میں وارد ہیں اور وہ ہر مسلمان کے لیے علی الراس والعین ہیں اور ہونی ہی چاہییں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ تفسیری روایات اور شان نزول کی روایات کا بڑا حصہ اقوال صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے اقوال و قیاسات پر مبنی ہے، اور ایک وافر حصہ اسرائیلیات کا ہے۔ انھی کو مجموعہ ہاے حدیث کی کتاب التفسیر میں جگہ دی گئی۔ ان میں وہ اقوال و قیاسات جو صحیح احادیث اور قرآنی بیانات کے مطابق ہوں گے، قبول کیے جائیں اور جو ان کے خلاف ہوں گے، لغت عرب، نظم قرآن جن کو قبول کرنے سے ابا کرتا ہو گا، وہ مردود ہوں گے۔ اب بہت ساری شان نزول کی روایتیں ایسی ہیں جو قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا دیتی ہیں۔ مثلاً بعض روایات بتاتی ہیں کہ قرآن کی مکمل آیت نہیں آیت کا فلاں فقرہ فلاں موقع پر نازل ہوا اور فلاں فقرہ فلاں موقع پر، یہاں تک کہ بعض وہ آیات بھی جن میں 'و' عاطفہ یا فاے عاطفہ آیا ہے۔ اس طرح ایک ہی آیت کی قطع و برید ہو جاتی ہے۔ آیات کا نظم ڈھتا اور جملوں کی نشست بگڑتی ہے۔ اس طرح کی بے ہودگی انسانی کلام میں آپ برداشت نہیں کرتے، اللہ رب العٰلمین کے کلام میں برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ بھی ان راویوں کی ثقاہت کو بچانے کے لیے جن کی روایات کی داخلی شہادت ہے کہ قرآن سے حد درجہ بے خبر تھے۔ واللہ، قرآن ایسی روایات سے بری ہے اور ان کا محتاج بھی نہیں۔ یہ مبحث کسی مراسلہ یا مضمون کا متحمل نہیں طوالت چاہتا ہے اور ایک کتاب میں ہی تفصیل سے اس کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ تفسیری روایات کے تحقیقی مطالعہ پر مشتمل ایک کتاب پر راقم خاک سار کام کر رہا ہے۔

مولانا فراہی و اصلاحی کا یہ موقف ہرگز ہرگز بھی مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے طریقہ سے مرعوبیت کا نتیجہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نہیں۔ یاد رہے کہ میرے والد ماجد علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی، قدیم طرز کے علما میں تھے۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ، حدیث میں مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد، موطا، مسند احمد اور بخاری کے شارح، ۴۰ سال ہند کے بڑے مدارس میں بخاری کا درس دیا۔ مگر تفسیری روایات کے سلسلہ میں ان کا موقف مولانا فراہی و اصلاحی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ سرسید اسکول کے سخت ناقد تھے۔ مولانا مودودی کے سخت ناقد تھے، مگر ان کی زندگی بھر کی تحقیقات کا نچوڑ یہ ہے کہ شان نزول کی روایتیں عموماً اور دیگر تفسیری روایتیں فہم قرآنی میں سب سے بڑی حارج ہیں (مرفوع و متصل روایتوں کے استثنا کے ساتھ)۔

یاد رہے کہ ہم مولانا فراہی و اصلاحی کے غالی مداح نہیں، نہ ان کی ہر بات کو من و عن تسلیم کرتے ہیں۔ اپنی کتاب ''عالم اسلام کے چند مشاہیر'' میں ہم نے لکھا ہے: ''ان کی ہر بات اور تحقیق سے اتفاق کرنا ضروری نہیں مسئلۂ رجم اور اس ضمن میں بعض صحابہ و صحابیات کی شان میں ان کے قلم نے لغزش کی ہے۔'' (ص: ۱۴۹، مطبوعہ فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی)

رجم کے سلسلہ کی روایات پر نقد کرتے ہوئے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہ کے بارے میں مولانا اصلاحی کا تبصرہ درست نہیں، مگر اس میں وہ معذور سمجھے جائیں گے، اس لیے کہ اس مقام پر وہ مؤول ہیں اور تاویل اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک عذر مقبول ہے۔ میرا طارق بٹ صاحب سے سوال ہے کہ وہ مذکورہ بالا وضاحتوں کی روشنی میں مولانا فراہی و اصلاحی کے نقد کی صحیح نوعیت کا ادراک کیوں نہیں کر سکے؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اپریل ۲۰۱۶ء کے شمارہ میں طارق بٹ صاحب نے بلا جواز مولانا عمار احمد خاں ناصر پر جارحانہ نقد کیا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ موصوف علمی نقد کے آداب اور اصولوں سے ناواقف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''جب غازی ممتاز قادری (شہید) نے گستاخ رسول سلمان تاثیر کو کیفر کردار تک پہنچایا تو عمار صاحب نے مغربی قوتوں، ملعونہ آسیہ مسیح اور سلمان تاثیر کی حمایت میں کتاب لکھی''۔ بٹ صاحب نے پتا نہیں اس کتاب کو دیکھا بھی ہے یا نہیں بس سنی سنائی اڑا رہے ہیں۔ سنیے! جس کتاب کو آپ مطعون کر رہے ہیں، اس کتاب کا نام ''براہین'' ہے۔ اور اس میں مسئلہ کا صرف اصولی جائزہ لیا گیا ہے، نہ مغربی قوتوں کی حمایت ہے نہ آسیہ مسیح اور سلمان تاثیر کی! آپ اتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں بغیر کسی دلیل کے؟ اپنے اس دعوے کی دلیل میں اس کتاب سے کوئی ایک جملہ کوئی ایک لائن تو نقل کرتے؟

مزید لکھتے ہیں: ''پھر جب غامدی صاحب پر استخفاف و انکار حدیث کا الزام لگا تو عمار ناصر صاحب نے اس الزام کا توڑ کرنے اور غامدی صاحب کو سچا ثابت کرنے کے لیے اب ''فقہاء احناف اور فہم حدیث'' کے نام سے ایک

کتاب لکھی ہے''۔ حضرت بٹ صاحب الزام کا کوئی سر پیر تو ہو! کتاب اہل علم کے سامنے ہے۔ اس پر کئی اہل علم کے تبصرے بھی راقم نے پڑھے ہیں۔ کسی نے اس دور کی کوڑی کا ذکر نہیں کیا جو بٹ صاحب لائے ہیں۔ نقد کا شوق ہے خوب شوق سے کیجیے، مگر دلائل کے ساتھ، ورنہ آپ کا نقد تاریخ کے کوڑے دان کا حصہ بنے گا۔ آپ حضرات کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ جس شخص پر نقد کرنا ہے، اس کی تحریروں کا خود سے ایک مفہوم متعین کرتے ہیں، پھر اس پر چاند ماری کرنے لگتے ہیں۔ آپ کے پاس بہتر آپشن یہ ہے کہ جاوید احمد غامدی کی اور عمار ناصر صاحب کی تحریروں سے وہ ٹکڑے اور وہ جملے آپ نقل کرتے جو آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہیں، پھر ان پر آپ نقد کرتے۔ یہ تو سرے سے کوئی نقد ہی نہیں ہوا کہ کسی کتاب یا مضمون کا اپنے جی سے خود ہی مفہوم یا مقصد متعین کیا، پھر اس پر حملہ کرنے لگ گئے۔ یہی تو مستشرقین اور ان کے ذلہ ربا کیا کرتے ہیں!! اس طرح کی بے دلیل تنقیدوں سے غامدی اور عمار ناصر صاحب کا کچھ نہیں بگڑے گا، الٹے آپ کی علمی ثقاہت داؤں پر لگے گی۔

سہ ماہی ''جی'' کا وہ شمارہ بھی راقم نے پڑھا جس میں جناب جاوید احمد غامدی پر کئی تنقیدی مقالے شائع کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک طویل مضمون نادر عقیل انصاری صاحب کا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی نقد سے بری نہیں ہے۔ بقول امام دارالہجرت امام مالک: 'کل یؤخذ من قوله و یرد الا صاحب هذا القبر، و أشار الى قبر النبي صلى الله عليه و سلم')، لیکن نقد علمی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ نادر عقیل انصاری صاحب، محترم غامدی صاحب کو بھی بلا دلیل منکر حدیث لکھ رہے ہیں اور ظلم یہ کر رہے ہیں کہ مولانا فراہی و شبلی کو بھی سر سید کا پیرو اور جدیدیت کا علم بردار بتا رہے ہیں۔ شبلی و فراہی کی تصانیف کیا چھپی ہوئی نہیں ہیں؟ کیا وہ الماریوں میں بند ہیں؟۔ موصوف اس دریدہ دہنی کے لیے ان دونوں حضرات کی تحریروں سے صرف ایک لائن لکھ کر اپنا مدعا ثابت کر دیں تو جانیں۔ فراہی جیسے متبحر عالم، قرآن میں ڈوبے رہنے والے ایک نابغۂ روزگار کو بھلا جدیدیت سے کیا واسطہ! علامہ تقی الدین ہلالی المراکشی عربیت کے بلند پایہ عالم اور مسلکاً سخت متصلب سلفی تھے، لیکن فراہی کے علم ورع اور عربیت کے نہایت مداح، ''تفسیر نظام القرآن'' عربی کا مقدمہ مولانا فراہی نے ان کو پڑھنے کے لیے دیا۔ اسے پڑھ کر علامہ موصوف رونے لگے۔ فراہی کا مرتبہ حافظ صلاح الدین یوسف جیسے روایت پرست کیا جانیں، ان کا رتبہ امام الہند ابوالکلام آزاد سے پوچھیے جو کہتے تھے کہ مولانا حمید الدین فراہی کی صحبت میں بیٹھنے والے کو یہ فیصلہ کرنا محال ہوتا ہے کہ ان کا علم زیادہ ہے یا تقویٰ!

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

وفیات

محمد وسیم اختر مفتی

مختار علی شاہ: یادیں اور تاثرات

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاویں گے ایسے کہ کھوج بھی پایا نہ جائے گا۔ایک ہفتہ قبل مجھے کلینک پر مختار صاحب کا فون آیا،موبائل فون پر آواز ٹوٹ رہی تھی۔ میں نے انھیں پی ٹی سی ایل نمبر پر فون کرنے کو کہا۔ پندرہ منٹ کے بعد انھوں نے دوبارہ رابطہ کیا اور قرآن مجید کے نحوی مسائل پر کچھ استفسارات کیے۔دوران گفتگو میں انھوں نے بتایا کہ مجھے دل کی شدید تکلیف ہے۔اسی بیماری دل نے آخر ان کا کام تمام کیا،ایک ہفتہ پورا بھی نہ گزرا تھا کہ ان کی وفات کی خبر آ گئی۔

مختار شاہ صاحب اکثر مجھے فون کرتے رہتے۔قرآن مجید ان کی گفتگو کا محور ہوتا،صرف ونحو اور گرامر میں انھیں خصوصی دل چسپی تھی۔اپنے غوروفکر میں وہ مجھے شامل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔میں فون کرنے اور سننے میں بہت سست ہوں۔کئی بار ان کی بات سمجھ نہ پاتا، عام طور پر مریضوں میں الجھا ہوتا یا کہیں راستے میں ہوتا۔میں نے انھیں کئی بار کہا، میں ''المورد'' باقاعدگی سے جاتا ہوں۔کچھ دیر کے لیے وہاں آ جایا کریں، تسلی سے بات ہو جائے گی اور آپ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو جائے گا،لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے۔

مختار علی شاہ میرے شہر وزیرآباد کے رہنے والے تھے،میرے تایازاد محمد رفیع مفتی کے ہم جماعت تھے۔میں رفیع صاحب کے بہت قریب تھا۔عمر کے تفاوت کے باوجود مجھے ان کے دوستوں کی خبر رہتی تھی۔چھوٹا ہونے کی وجہ سے مجھے اس زمانے کی کوئی خاص بات یاد نہیں۔ذہن میں اتنا تاثر ضرور ہے کہ رفیع صاحب اپنے دوستوں سے الجھتے رہتے تھے۔ان کے دوست ان کی تنقیدات پر خاموش رہتے یا خفیف سا ردعمل دیتے۔میری عمر چودہ برس تھی جب میرے ایک عزیز، محمد رفیع مفتی اور مختار علی شاہ کے ہم جماعت محمد محمود احمد نے 'انجمن امداد غریباں وزیرآباد' بنائی۔

انھوں نے مجھے خود کہہ کر انجمن میں شامل کیا۔ انجمن کا دفتر مختار علی شاہ کے گھر کے پاس تھا۔ مجھے اس کی کارگزاری کی کوئی خبر نہ ہوتی تھی، تاہم کارروائی کے آغاز سے قبل تلاوت قرآن کے لیے مجھے کھڑا کر دیا جاتا۔ مختار علی شاہ 'انجمن امداد غریباں' میں شامل تھے، اس وقت میرا ان سے تعارف نہ ہوا تھا۔ بعد میں لاہور میں ایک ملاقات میں انھوں نے بتایا کہ محمد محمود احمد سے ان کا اختلاف ہوا جو جھگڑے کی شکل اختیار کر گیا اور انھوں نے 'انجمن امداد غریباں' چھوڑ دی۔ محمود صاحب چندہ لینے میں احتیاط نہ برتتے تھے اور ہر قماش کے شخص سے رقم لے کر غربا کو تھما دیتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں ہم وزیر آباد چھوڑ کر لاہور منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد کسی تقریب میں وزیر آباد جانا ہوا تو میں رفیع صاحب کے بتائے کسی کام کے لیے مختار صاحب کے گھر گیا۔ صبح کا وقت تھا، مختار صاحب نے پراٹھوں اور دہی سے تواضع کی۔

لاہور میں ایک عرصہ تک مختار شاہ سے کوئی رابطہ نہ ہوا۔ اتنا معلوم تھا کہ وہ سیشن کورٹ میں ملازم ہیں اور اچھرہ میں مقیم ہیں۔ ان کی اپنی زبانی وہ دن ان کے لیے بڑے کڑے تھے۔ کئی بار کھانا بھی میسر نہ ہوتا تھا۔ ان سے میرا زیادہ میل جول اس وقت ہوا جب وہ رفیع صاحب کے توسط سے استاذ جاوید احمد غامدی سے متعارف ہو چکے تھے۔ یہ ۱۹۷۸ء کا سن تھا۔ میری ان سے جب بھی ملاقات ہوتی، رفیع مفتی ساتھ ہوتے۔ ۶ر فروری ۱۹۸۳ء کو استاذ غامدی نے فورٹریس اسٹیڈیم کے ایک کمرے میں عربی کی کلاسیں شروع کیں تو مختار علی شاہ اس میں شامل تھے۔ میں ان دنوں علامہ اقبال میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھا، اس کلاس میں شریک نہ ہو سکا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فورٹریس اسٹیڈیم کی کلاسیں بعد میں ایک باقاعدہ ادارے ''المورد'' کی شکل اختیار کر گئیں۔ استاذ جاوید احمد غامدی کے گھر سلطان پورہ میں کئی مجالس (meetings) ہوئیں اور ''المورد'' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ ''المورد'' کے ارکان تاسیسی کا پہلا اجتماع ۷ر مئی ۱۹۸۳ء (۲۳ر رجب ۱۴۰۳ھ) کو میجر سعید نواز مرحوم کے گھر ہوا۔ قرارداد تاسیسی اور دستور پر حسب ذیل ارکان نے دستخط کیے۔ آفتاب احمد شمسی مرحوم، ڈاکٹر خالد ظہیر، سعید نواز مرحوم، مختار علی مرحوم، ڈاکٹر منیر احمد اور نعیم رفیع۔ اگلے روز ۸ر مئی کو ملک محمد عاشق کے گھر بقیہ دو ارکان تاسیسی ملک محمد عاشق اور میاں محمد رفیع نے دستخط ثبت کیے۔ اس مجموعۂ ارکان کو 'المورد کی مجلس تنفیذی' (Al-Mawrid Executive Council) کا نام دے کر میجر سعید نواز مرحوم کو صدر مقرر کیا گیا۔ جون ۱۹۸۳ء (شعبان ۱۴۰۳ھ) میں ابوبکر بلاک گارڈن ٹاؤن میں ایک گھر کرایہ پر لیا گیا اور ۳ر جولائی ۱۹۸۳ء (۲۰ر رمضان ۱۴۰۳ھ) کو 'دانش گاہ معارف اسلامی المورد' نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ مختار علی شاہ بڑے جوش و جذبہ سے ''المورد'' میں شامل ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ وہ ویگن چلاتے، جاوید صاحب اور طلبا کو سلطان پورہ اور اسلامیہ پارک سے گارڈن ٹاؤن لاتے اور واپس

چھوڑتے۔ ''المورد'' کے کئی اموران کے سپرد تھے۔ان کا انہماک دیدنی تھا۔ان دنوں انھوں نے ''المورد'' کے باتھ روم اور ٹائلٹ بھی صاف کیے۔ میں انھی کی سفارش سے عارضی طور پر ریلوے کیرن اسپتال میں کام کر رہا تھا۔ وہ باقاعدگی سے میرے پاس آتے۔ ''المورد'' کی کتابیں ان کے پاس ہوتیں اور وہ پچھلا سبق دہراتے۔میڈیکل وارڈ کی مصروفیات کی وجہ سے میں کم توجہ دے پاتا، لیکن وہ اپنی دھن کے پکے تھے۔ میں جب تک ریلوے کیرن میں رہا، وہ آتے رہے۔

۲۱/ مارچ ۱۹۸۶ء کو مجلس تنفیذی للمورد' کا اجلاس ابوبکر بلاک گارڈن ٹاؤن میں ہوا جس میں میجر سعید نواز مرحوم، ڈاکٹر خالد ظہیر، ڈاکٹر منیر احمد اور مختار علی مرحوم نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ نشر و اشاعت کا شعبہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ احادیث نبویہ کی تنقیح و ترتیب، سیرت رسالت مآب اور تاریخ اسلامی کا جائزہ لینے کے ساتھ فقہ اسلامی کی تدوین نو کو مطمح نظر قرار دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے لاہور اور بڑے شہروں میں سہ روزہ، ہفتہ وار اور ششماہی اجتماعات کا فیصلہ کیا گیا۔ ۷/ستمبر ۱۹۸۶ء کے اجلاس میں دستور میں کچھ ترامیم پیش کی گئیں۔ مختار صاحب اس اجلاس میں حاضر تھے، ۵/ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے اجلاس میں وہ نہ آئے، تاہم ۲/ نومبر ۱۹۸۶ء کی میٹنگ میں موجود تھے۔ اسی زمانے (۲۹/ جون ۱۹۸۹ء) میں 'الانصار المسلمون' کا قیام عمل میں آیا۔ تب تک مختار شاہ کو ''المورد'' سے کچھ اختلافات ہو چکے تھے۔ وہ تلاش روزگار میں کراچی چلے گئے، وہاں ان کا ''المورد'' کراچی سے رابطہ رہا اور وہ اس کے اجتماعات میں شریک ہوتے رہے۔ کراچی میں پہلا اجلاس ۸ تا ۱۰/ اپریل ۱۹۸۷ء کو ہوا۔ 'المجلس التنفیذی للمورد' (Al-Mawrid Executive Council) کے 51-K ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہونے والے اجلاسوں میں مختار علی شاہ کراچی سے آتے رہے، تاہم ان کی حاضری باقاعدہ نہ رہی اور ان کی دل چسپی کم ہوتی گئی۔ کچھ وہ کھچے کھچے رہے کچھ ہم کھچے کھچے، اس کش مکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا۔ اگست ۲۰۰۶ء کی میٹنگ آخری میٹنگ تھی جس میں مختار صاحب آئے۔ جون ۲۰۰۷ء کے اجلاس میں انھیں دعوت نہ دی گئی اور مجلس تنفیذی سے ان کا نام خارج کر کے رکنیت ختم کر دی گئی۔

''المورد'' سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے خود بھی بڑی محنت سے قرآن پڑھا اور اپنے قریبی ساتھیوں کی تعلیم کے لیے دروس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ ان کی وفات تک یہ سلسلہ جاری تھا۔

مختار علی شاہ اپنی فطرت میں سادہ اور بھولے تھے۔ ریلوے کیرن اسپتال آ کر عربی پڑھنا ان کے بھول پن کا ثبوت تھا۔ اس طرح کے اشخاص واقعی مخلص ہوتے ہیں، تاہم اگر ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی جائے تو ردعمل بھی سخت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دیتے ہیں۔ زندگی کے مسائل سے الجھتے الجھتے اور ہر طرح کے لوگوں سے تعامل کرتے کرتے مختار علی شاہ کو گفتگو کا سلیقہ آ گیا تھا۔ انھیں معلوم تھا، دل کی بات کب بتانی ہے اور کب اپنے اختلاف کو چھپانا ہے۔ ایک مجلس میں میں، محمد رفیع مفتی اور مختار علی شاہ حاضر تھے۔ ایک ایسی مہم کی تجویز سامنے آئی جس سے ہم تینوں کو اختلاف تھا۔ رفیع صاحب نے کھل کر اپنے اختلاف کا اظہار کیا۔ میں نے غیر متعلق ہوتے ہوئے بھی ایک دھواں دھار تقریر جھاڑ دی۔ مختار صاحب کی باری آئی تو انھوں نے کسی شور و شغب کے بغیر اطمینان اور سکون سے کہا: اگر مجھے فلاں ذمہ داری دی گئی تو میں نبھاؤں گا۔ انھیں علم تھا کہ یہ تجویز سرے چڑھنے والی نہیں، اس لیے بحث میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

میں ہر سال قرآن اکیڈیمی ماڈل ٹاؤن کی مسجد میں نماز تراویح ادا کرتا ہوں۔ جس وقت عام مسجدوں میں نماز ہو رہی ہوتی ہے، میں کلینک میں ہوتا ہوں۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد قرآن اکیڈیمی جاتا ہوں اور چند رکعات پڑھ کر لوٹ آتا ہوں۔ مختار شاہ کراچی میں تھے، تب بھی لاہور آنے پر قرآن اکیڈیمی ضرور آتے اور ان سے ملاقات ہوتی۔ کئی برسوں سے وہ لاہور میں تھے۔ ہر سال رمضان میں نظر آتے اور مکمل تراویح اور ترجمہ قرآن سن کر لوٹتے۔ میں اپنی نام نہاد مصروفیات کی وجہ سے انھیں وقت نہ دیتا، دور سے دیکھ کر آ جاتا۔ چائے کا وقفہ ہوتا تو ان کا گپ شپ کرنے کو دل چاہتا، لیکن میں ہاتھ ملا کر رخصت ہو لیتا۔ امسال بھی مختار علی شاہ نے پوری تراویح پڑھیں اور ترجمہ سنا، لیکن میرا non social rather anti social رویہ غالب رہا اور میں ایک دو بار سے زیادہ ملاقات نہ کر پایا۔

مختار علی شاہ کی کچھ باتیں عجیب بھی تھیں۔ انھوں نے شناختی کارڈ بنواتے وقت اپنے والد سے بڑی بحث کی کہ ان کے نام کے ساتھ سید نہ لکھوایا جائے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر بھی انھیں اعتراض تھا کہ اپنے نام کے ساتھ سید کیوں لکھتے ہیں۔ اس کے باوجود سب احباب انھیں مختار شاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میں نے ابوشعیب صفدر علی مرحوم کے منہ سے پہلی بار مختار شاہ سنا تو معلوم ہوا کہ وہ سید ہیں۔ ایک بار میں نے پوچھا: آپ نہیں، لیکن آپ کے بیٹے تو اپنے نام کے ساتھ سید اور شاہ لکھتے ہیں تو جواب دیا: وہ تو سید ہیں نا۔ ڈاڑھی کے بارے میں مختار علی شاہ کو بڑا اشکال تھا۔ ایک دفعہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑے زوردار طریقے سے کہا کہ ڈاڑھی انبیا کا فیشن ہے، ضرور رکھنی چاہیے۔ تب مختار صاحب نے ڈاڑھی رکھ لی، لیکن زیادہ عرصہ اس کے ساتھ نباہ نہ کر سکے۔

مختار علی شاہ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ ان پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں۔ مجھے دکھ ہے کہ ان کے جنازے میں شامل نہ ہو سکا۔ اس وقت میں بچوں کو اسکول سے لانے میں مشغول تھا۔ اگلے روز ان کے گھر افسوس کرنے گیا تو گلیوں گلیوں گھومتا واپس آ گیا۔ میں جب بھی ان کے گھر جاتا، انھیں موبائل پر فون کر کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رستہ سمجھتا۔اس بار مجھے کوئی راستہ بتانے والا ہی نہ تھا۔آہ!اب کون فون کر کے قرآن مجید کے نحوی مسائل پر بات کرے گا۔اگلے برس تک زندہ رہا تو اکیلے ہی تراویح پڑھ کر آ جاؤں گا،مختار علی شاہ کی صورت نظر نہ آئے گی۔میری محدود دنیا اجڑ گئی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد بلوچ

سید مختار علی شاہ کی یاد میں!

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسجد میں داخل ہوا تو چار پائی صحن میں رکھی تھی، چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔ انیس مفتی صاحب مجھے دیکھ کر لپکے۔ مغموم لہجے میں بولے: ''دوست کو دیکھو گے؟'' اور وہ ان کے چہرے سے کفن ہٹانے لگے۔ ان کا چہرہ اب سامنے تھا۔ آنکھیں تاب نہ لا سکیں اور نم ناک ہو گئیں۔

مادر علمی ''المورد'' سے وابستگی ہوئی تھی تو ان سے تعارف ہوا۔ اکثر ان کو رفیع مفتی اور انیس مفتی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ ان کے کلاس فیلو تھے۔ وزیر آباد میں ایک ہی محلے میں ان کی رہایش تھی۔ ایک دوسرے کے انتہائی قریبی، لیکن مزاج تینوں کا ایک دوسرے سے قطعی مختلف۔ صرف اخلاص اور دین سے محبت قدر مشترک تھی۔ آغاز میں المورد کے دوستوں میں یہی وہ لوگ تھے جن کے ساتھ سب سے زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ راہ و رسم بڑھی تو اپنی طبیعت کی سادگی اور بے تکلفی کے باعث بہت جلد وہ میرے قریبی دوستوں میں شامل ہو گئے۔ ان کو ہم پیار اور بے تکلفی میں صرف 'مختار صاحب' کہتے تھے، ڈاکٹر خالد ظہیر اور سید منظور الحسن کی طرح برسوں کے بعد انکشاف ہوا کہ وہ بھی 'سید' ہیں، اور اس بات کا بھی بہت عرصہ کے بعد علم ہوا کہ المورد کی پہلی کلاس میں ہماری شمولیت ان کی مہربانی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ۱۹۸۳ء میں فورٹریس اسٹیڈیم لاہور میں جب ایک چھوٹی سے دکان میں عربی زبان کی تدریس کا آغاز ہوا تو اس میں دو کرسیاں کم پڑ گئیں۔ میرے اور محمد احسن تہامی کے لیے کرسیاں دستیاب نہیں تھیں۔ جگہ نہیں تھی، کرسیوں کے لیے پیسے نہیں تھے یا ہم دوسروں کی نسبت قدرے نئے آنے والوں میں سے تھے، بہر کیف ہم اس کلاس سے محروم ہونے والے تھے، لیکن یہ مختار صاحب تھے جنھوں نے ہمارے حق میں آواز بلند کی اور یوں ہم دونوں اس اعزاز کے حامل

ہوئے کہ المورد کے نام سے بننے والے اس ادارے کے اولین طالب علموں میں شمار ہوں۔فورٹریس اسٹیڈیم میں یہ کلاس کچھ ماہ جاری رہنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں گارڈن ٹاؤن کے ابوبکر بلاک کی ایک عمارت میں منتقل ہوگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب استاد محترم جاوید احمد صاحب غامدی سلطان پورہ میں رہایش پذیر تھے۔سبز رنگ کا ایک سیکنڈ ہینڈ سوزوکی کیری ڈبہ انھیں سلطان پورہ سے گارڈن ٹاؤن لاتا اور رات کو واپس چھوڑ تا تھا۔اس گاڑی میں برادرم طالب محسن بھی ہوتے ، بعد میں اس قافلے میں ڈاکٹر خالد ظہیر صاحب بھی شامل ہو گئے۔مختار صاحب اس کے ڈرائیور مقرر ہوئے۔ وہ گاڑی چلانا نہیں جانتے تھے،لیکن انھوں نے چند دنوں میں ڈرائیونگ سیکھ لی۔میری رہایش بھی ان دنوں قریب ہی تھی،اس لیے میں بھی اکثر ان کے ساتھ ہی جاتا تھا۔اسی طرح اس کا انکشاف بھی ایک دن مختار صاحب ہی نے خود کیا کہ چند ماہ بعد ہی المورد کی عمارت کے کرایے کے لیے رقم کم پڑ گئی تھی۔بعض اصحاب نے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔تب مختار صاحب ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے دوسرے احباب کے ساتھ مل کر چندہ اکٹھا کیا۔یہ ایڈونچر انھیں کئی دفعہ کرنا پڑا۔انھی دنوں کی بات ہے کہ ہفتہ وار تعطیل کے باوجود المورد میں ایک خاص کلاس کا اہتمام تھا۔ پروگرام کے مطابق مختار صاحب صبح دس بجے کے قریب استاد محترم کو لینے آئے تو معلوم ہوا کہ وہ ان کے لیٹ آنے کی وجہ سے یا کسی اور سبب وہ المورد جا چکے ہیں۔گاڑی میں اب میں اور مختار صاحب ہی تھے اور راستے میں ہم نے دوسرے احباب کو لینا تھا۔مگر دوموریہ پل کے قریب گاڑی خراب ہوگئی۔ہم گاڑی کو دھکا لگا کر قریبی ورکشاپ لے گئے۔وہاں کوئی باقاعدہ مکینک موجود نہیں تھا۔ایک شاگرد ٹائپ مکینک گاڑی کے ساتھ دل لگی کرتا رہا۔صبح سے شام ہوگئی۔موبائل فون کا زمانہ تو نہ تھا،لیکن ہم المورد میں اطلاع کر سکتے تھے،مگر گاڑی ٹھیک کرانے کی فکر میں ہم اس کے بارے میں سوچ ہی نہ سکے۔یوں ہم اس افتاد کی اطلاع کسی کو نہ کر سکے۔ادھر استاد محترم سمیت تمام لوگ پریشان تھے کہ مختار صاحب گاڑی سمیت کہاں غائب ہو گئے۔ہم مغرب کی نماز کے قریب جب گارڈن ٹاؤن المورد پہنچے تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔انیس مفتی اور رفیع مفتی،مختار صاحب پر بہت برسے۔انھوں نے بتایا کہ ہمیں اسپتالوں سے لے کر مردہ خانے تک تلاش کیا جا چکا تھا۔اور اس تلاش میں خود غامدی صاحب شامل تھے۔مختار صاحب کا یہ کہنا بالکل درست تھا کہ لینڈ لائن فون ان دنوں بہت کم تھے اور چھٹی ہونے کی وجہ سے اس کا دستیاب ہونا بہت مشکل تھا۔ لیکن انھوں نے یہ انتہائی سخت ڈانٹ بڑی سعادت مندی سے برداشت کی۔اس طرح کے متعدد واقعات یہ ثابت کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صبر وتحمل کی خوبی خاص طور پر دے رکھی تھی۔

مختار صاحب المورد کی انتظامی مجلس کے ساتھ ایک عرصہ وابستہ رہے۔ان کا شمار بلا مبالغہ ان لوگوں میں کیا جا سکتا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہے جنھوں نے ابتدائی زمانے میں وسائل کی کمی کے باعث المورد کے واش رومز سے لے کر اس کے فرشوں کی صفائی تک کا کام کیا۔ غالباً رجم کے مسئلے کے باعث ادارہ جب مزید وسائل کی کمی کا شکار ہوا تو ہماری کلاس اور لائبریری گارڈن ٹاؤن سے لارنس روڈ کی ایک خستہ حال عمارت میں منتقل ہوگئی۔ ان دنوں مختار صاحب معاشی تگ ودو کے لیے کراچی منتقل ہو گئے۔ یوں وہ المورد کی باقاعدہ تدریس سے الگ ہو گئے، لیکن اپنے طور پر قرآن فہمی کا سلسلہ جاری رکھا۔

مختار صاحب بنیادی طور پر ایک روایت پسند طالب علم تھے۔ وہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی سے بہت متاثر تھے۔ کراچی منتقل ہونے کے بعد وہ ادارے کے علمی سفر کے ساتھ ایک طالب علمانہ تعلق برقرار نہ رکھ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انھیں مولانا مودودی کی فکر پر ہونے والی تنقید کا تجزیہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جماعت اسلامی کی تحریکی سرگرمیوں میں شمولیت کو اپنے لیے زیادہ مناسب خیال کیا اور جماعت اسلامی کے باقاعدہ رکن اور اس کی مجلس شوریٰ میں شامل ہو گئے۔ وہ اپنے آخری ایام تک اس وابستگی کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھاتے رہے۔ اپنی کاروباری سرگرمیوں کے باوجود انھوں نے ''تفہیم القرآن'' سے اپنا تعلق جوڑے رکھا۔ قرآن مجید کی تدریس کے لیے باقاعدہ ایک حلقہ بھی قائم کیا جہاں ایک عرصہ انھوں نے درس قرآن بھی دیا۔

نصرت دین کے حوالے سے ان کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا۔ وہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ کمرشل ٹی وی کے ذریعے سے قرآن فہمی یا دینی موضوعات کی تفہیم کے پروگرام نشر کیے جائیں۔ ان کا موقف تھا کہ یہ حمیت دین کے خلاف ہے۔ اس سے تبلیغ دین کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اس پر خوب بحث کرتے۔ جب وہ دلائل سے قائل نہ کر پاتے تو بڑی محبت سے ضد کرتے اور وعدہ لیتے کہ آپ انھی طریقوں کو اختیار کریں گے جو انبیا علیہم السلام نے اختیار کیا تھا۔ جماعت اسلامی کے طرز سیاست کا دفاع یہ کہہ کر کرتے کہ مجھے ان کے اخلاص پر کوئی شبہ نہیں اور جب تک یہ اعتماد برقرار ہے، میں ان سے تعاون کرتا رہوں گا۔ سچی بات یہی ہے کہ دین سے محبت، دوستوں سے اخلاص اور خلق خدا سے ہمدردی کا یہ جذبہ مختار صاحب کا اصل سرمایہ تھا۔ یہ ان کی شخصیت کے قابل رشک اوصاف تھے۔

دل کی بیماری نے انھیں ہم سے مادی طور پر تو جدا کر دیا، لیکن وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور انھیں آخرت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

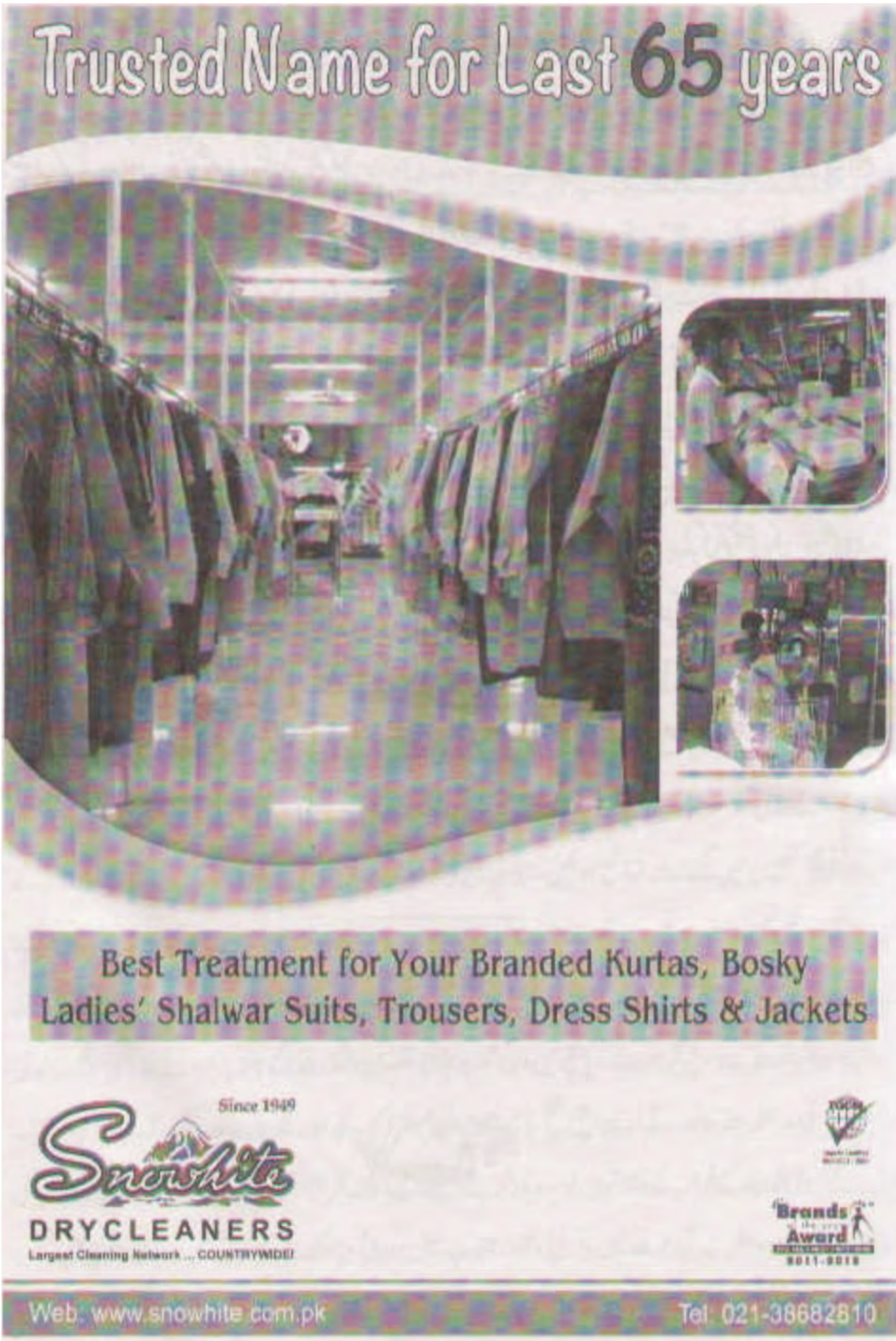
Trusted Name for Last 65 years
Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets
Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!
Brands Award
Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810

Monthly
ISHRAQ
Lahore

November 2017
Vol.29 No.11
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

لئن شکرتم لازیدنکم
اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا (القرآن)

PRAISE BE TO ALLAH, LORD OF THE WORLDS

150+ within 250 days
keep counting...

ALLIED SCHOOLS
Project of Punjab Group of Colleges

Allied Pre School
Allied School
Growing Together

Ar-Rahman Campus-JHELUM
Outside Classroom Education
Inter-Campus Transfer
Sahi Campus-SHAHKOT
Al-Fajar Campus-LAHORE
Ghazi Campus-OKARA
Rehman Campus-GUJRANWALA
Pak Campus-LAHORE
Web Portal
Parent-Teacher Meetings
Harbanspura Classic Campus-LAHORE
Sialkot Campus-SIALKOT
Al-Miraj Campus-LAHORE
Sibling Discount
Sir Syed Campus-LAHORE
Capital Campus-ISLAMABAD
Ellahabad Campus-ELLAHABAD
Cantt Campus-GUJRANWALA
Ferozpur Road Campus-LAHORE
Raiwand Road Campus-LAHORE
Sargodha Road Campus-FAISALABAD
Farooqabad Campus-FAROOQABAD
Jhelum Campus-JHELUM
Marrium Campus-JOHARABAD
Spoken English
Character Building
Grace Campus-LAHORE
Gojra Campus-GOJRA
Lodhran Campus-LODHRAN
Bhimber Campus-BHIMBER
Shakargarh Campus-SHAKARGARH
Standardized Curriculum
Shalimar Campus-FAISALABAD
Sahiwal Campus-SAHIWAL
Entry Test Preparation
DC Road Campus-GUJRANWALA
Ali Pur Chattah Campus-ALI PUR CHATTAH
Al-Ahmad Campus-LAHORE
Bahawalpur Campus-BAHAWALPUR
Mock Assessment
Educational Insurance
Tulip Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-GUJRANWALA
Bilal Campus-BHALWAL
Professional Development of Teachers
Zafarwal Campus-ZAFARWAL
Attendance by SMS
Concept-Based Teaching
Wapda Town Campus-GUJRANWALA
Exclusive Early Years Education
Burewala Campus-BUREWALA
Husnain Campus-SAMBRIAL
Bedian Campus-LAHORE
Peshawar Road Campus-RAWALPINDI
Gulshan-e-Ravi Campus-LAHORE
Samanabad Campus-LAHORE
Sadar Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-RAWALPINDI
GT Road Campus-GUJRANWALA
Kamalia Campus-KAMALIA
Extra & Co-curricular Activities
Ar-Raheem Campus-DINA
Walton Campus-LAHORE
Johar Town Campus (South)-LAHORE
Merit Scholarships
Career-Path Counseling
Akbar Campus-VEHARI
Hyderabad Campus-HYDERABAD
Samanabad Campus-FAISALABAD
Chauburji Campus-LAHORE
Sargodha Campus-SARGODHA
Kamoke Campus-KAMOKE
Dunyapur Campus-DUNYAPUR
Peoples Colony Campus-FAISALABAD
Hafizabad Campus-HAFIZABAD
Chichawatni Campus-CHICHAWATNI
Wazirabad Campus-WAZIRABAD
Subhan Campus-PATTOKI
PECO Road Campus-LAHORE
Art, Craft & Music
Allama Iqbal Town Campus-LAHORE
International Standards
Peoples Colony Campus-GUJRANWALA
Kasur Campus-KASUR
Al-Fateh Campus-KOT ABDUL MALIK
Dinga Campus-DINGA
Johar Town Campus (North)-LAHORE
Kotla Campus-KOTLA ARAB ALI KHAN
Thana Campus-MALAKAND AGENCY
Ahmed Campus-RAHIM YAR KHAN
Faisalabad Campus-FAISALABAD
Muridke Campus-MURIDKE
Salaar Campus-RAWALPINDI
Swat Campus-SWAT
Lalamusa Campus -LALAMUSA
Madina Campus-FAISALABAD
Teaching through Animation
Fatima Campus-DASKA
Adyala Campus-RAWALPINDI
Oasis Campus-BAHAWALPUR
Taunsa Campus Campus-TAUNSA SHARIF
Rahim Yar Khan Campus-RAHIM YAR KHAN
English Medium
Mumtaz Campus-MULTAN
Health & Hygiene Guidance
Narowal Campus-NAROWAL
Jinnah Campus-NOWSHERA VIRKAN
Jalal Pur Jattan Campus-JALAL PUR JATTAN
Bukhtiyari Campus-LAHORE
Malakwal Campus-MALAKWAL
Sadiqabad Campus-SADIQABAD
DG Khan Campus-DERA GHAZI KHAN
Gujrat Campus (South)-GUJRAT
Mirpur Campus-MIRPUR AZAD KASHMIR
Playgroup to University Education
Quaid Campus-TOBA TEK SINGH
Model Town Campus-GUJRANWALA
Mandi Bahauddin Campus-MANDI BAHAUDDIN
Mouaz Campus-MANANWALA
Al-Ghaffar Campus-SARA-E-ALAMGIR
Chanab Campus-PARHIANWALI
Bhakkar Campus-BHAKKAR
Qila Didar Singh Campus-QILA DIDAR SINGH
Zalmas Campus-SHEIKHUPURA
Hujra Shah Muqeem Campus-HUJRA SHAH MUQEEM

Group Corporate Office, Allied Schools & Punjab Colleges. 64-E-I, Gulberg III, Lahore - Pakistan. Ph: 042 35756357-58
www.alliedschools.edu.pk